عطار ہو ،رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی !!

اِدارۂ اشرفیہ عزیزیہ کا ترجمان

ذوالقعدہ ۱۴۲۷ھ / دسمبر ۲۰۰۶ء

Reg No.P476

جلد: پنجم

شمارہ: ۲

فہرست

فی شمارہ: 15/- روپے

سالانہ بدل اشتراک: 180/-روپے

ملنے کا پتہ: مکان نمبر۔۱۲-P ، یونیورسٹی کیمپس، پشاور۔

ای۔میل:<<< mahanama_ghazali@yahoo.com

saqipak99@gmail.com

physiologist72@yahoo.com

حدیثِ نا گفتنی (پہلی قسط)

میری علمی و مطالعاتی زندگی

(حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی صاحبؒ)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ : ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک کی انتظامیہ نے حضرت مولانا محمد اشرف رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی علمی و مطالعاتی زندگی کے بارے میں ایک سوالنامہ ارسال کیا تھا جس کے جواب میں حضرت مولانا صاحب نے ''حدیث نا گفتنی'' کے عنوان سے ایک تحریر بھجوائی۔ یہ تحریر قارئین کے افادہ کے لیے پیش کی جارہی ہے۔

ایڈیٹر الحق کا سوالنامہ

☆ آپ کو علمی زندگی میں کن کتابوں اور مصنفین نے متاثر کیا اور آپ کی محسن کتابوں نے آپ پر کیا نقوش چھوڑے؟

☆ ایسی کتابوں اور مصنفین کی خصوصیت۔

☆ آپ نے تعلیمی زندگی میں کن اساتذہ اور درس گاہوں سے خاص اثرات لیے، ایسے اساتذہ اور درسگاہوں کے امتیازی اوصاف جن سے طلباء کی تعمیر و تربیت میں مدد ملی۔

☆ اس وقت عالم اسلام کو جن جدید مسائل اور حوادث ونوازل کا سامنا ہے اس کے لیے قدیم یا معاصر اہل علم میں سے کن حضرات کی تصانیف کارآمد اور مفید ثابت ہوسکتی ہیں؟

☆ علمی اور دینی محاذوں پر کئی فتنے تحریفی، الحادی اور تجدیدی رنگ میں (مثلاً انکارِ حدیث، عقلیت، تجدد، مغربیت، قادیانیت اور ماڈرن ازم) مصروف ہیں۔ ان کے سنجیدہ علمی احتساب میں کونسی کتابیں حق کے متلاشی نوجوان ذہن کی رہنمائی کرسکتی ہیں؟

☆ موجودہ سائنسی اور معاشی مسائل میں کون سی کتابیں اسلام کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں۔

☆ مدارس عربیہ کے موجودہ نصاب اور نظام میں وہ کونسی تبدیلیاں ہیں جو اسے مؤثر اور مفید تر بنا

سکتی ہیں۔

حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔حسب وعدہ (گو بہت تاخیر سے) مطلوبہ مضمون میری مطالعاتی زندگی ’’حدیث ناگفتنی‘‘ کے عنوان سے بھیج رہا ہوں کہ جو بات سراپا خفا وسرء (خفیہ) اپنے تک محدود ہونی چاہئے تھی،اس کے اظہار واعلان سے اپنی کم سوادی کو رسوائے عام کر رہا ہوں۔بہت سی باتوں سے شاید آپ کا اتفاق نہ ہو،لیکن

ع فیما یعشقون الناس مذاھب

اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور اس ریاء ونمائش سے درگذر فرمائے اور اس سیاہ کار کی اس سخن طرازی وہرزہ سرائی کو معاف فرمائے آمین۔کہ حقیقتاً ہر لحاظ سے صفر ہوں اور دعا کا محتاج ہوں۔

(محمد اشرف ۱۷۔۳۔۹۳ھ)

☆☆☆☆☆

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فقیر پر جو بے شمار احسانات ہیں ان میں ایک بڑا احسان یہ ہے کہ علم وعمل کی جملہ کوتاہیوں کے باوجود اس کے بہت سے نیک بندے اس بے مایہ سے حسن ظن رکھتے ہیں۔اس نیک گمانی کا کرشمہ ہے کہ اس شکستہ قلم ابجد نا شناس سے جواں سال وبزرگ خصال صاحب الحق (مولانا سمیع الحق صاحب سلمہ) مدیر ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک نے وہ چند سوال کر ڈالے جن کے تخاطب کا مستحق یہ نااہل کسی صورت میں نہیں۔اپنی مطالعاتی زندگی کی داستان سرائی پر صرف اس وجہ سے قلم اٹھا رہا ہوں کہ شاید اس تباہ حال کی یہ درازنفسی وپریشان حالی کسی کے لیے سبب عبرت وسرمۂ بصیرت بن جائے کہ اپنی بے ربط وبے انضباط زندگی اس لحاظ سے ایک المیہ ہے کہ استفادہ وافادہ کی جن راہوں کو کھولا جا سکتا تھا وہ ناکشودہ رہ گئیں ؎

ناکامی حیات نہ بودے دوروز بیش

آں ہم کلیم باتو چہ گویم کہ ہم گذشت

ترجمہ: زندگی کی ناکامی دودنوں سے زیادہ نہیں تھی، اے کلیم آپ سے کیا کہیں کہ عمر گزر گئی۔

تاہم ؎ میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہو

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

ابتدائی زندگی: انسان ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ ماں کی گود، گھر، مکتب و معاشرہ انسان کو بنا یا بگاڑ دیتا ہے۔ یہی وہ حقیقت کبریٰ ہے جسکی طرف اشارہ حقائق کے سب سے بڑے نقاب کشا نبی الانبیاء حبیب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

مَامِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَا نِهِ اَوْ یُنَصِّرَا نِهِ اَوْیُمَجِّسَانِهٖ۔

(بخاری، تفسیر سورہ روم)

ترجمہ: کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت (دین توحید) پر پیدا نہیں ہوتا لیکن ماں باپ اسے یہودی نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔

فقیر نے بحمد اللہ تعالیٰ ہوش کی آنکھیں ایک دیندار گھرانے میں کھولیں۔ والد مرحوم☆ باوجود ایک بڑے تجارتی کاروبار کے، صوم وصلوٰۃ کے پابند، متشرع اور اسلامی شعار واقدار کے گرویدہ تھے، گو عالم نہ تھے لیکن علمائے اہل حق سے قریبی روابط تھے۔

☆ محمد اکبر خان ابن سکندر علی ابن سعادت خان ابن نور خان المتوفی ۲۱ اکتوبر ۱۹۷۱ء مطابق ۲۹ رمضان ۱۳۹۰ھ نسلاً پٹھان تھے، پشاور وطن تھا۔ تجارتی کاروبار وسیع تھا۔ شملہ، دہلی، کلکتہ، دارجیلنگ وغیرہ میں دکانیں تھیں۔ اس سلسلہ میں اکثر وقت دہلی وشملہ میں گذرتا تھا۔ ۱۹۰۱ء سے جائیداد بنائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

فارسی اور اردو کی دینی کتابوں کا اچھا مطالعہ اور فارسی ادب کا ذوق تھا۔ کیمیائے سعادت ہمیشہ مطالعہ میں رہتی تھی، فقیر منش اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ والدہ محترمہ دام ظلّہا اچھی خاصی دینی معلومات کی حامل، نیکی و پارسائی کا نمونہ، ذکر و اشغال و تلاوت کی پابند اور سخی و غریب پرور ہیں۔ والدہ محترمہ نے ترجمہ قرآنی اور اردو و فارسی میں اکثر متداول تفاسیر اور احادیث و فقہ و سیر کی متعدد کتابیں ہمارے تایا اور اپنے خالہ زاد بھائی مولوی حکیم غلام سرور صاحب سے پڑھی تھیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بچپن میں وہ ہمیں کہانیوں کے بجائے انبیاء علیھم السلام کے قصّے اور واقعات ہر رات سناتی تھیں۔ بندہ نے قرآن کریم اپنی والدہ محترمہ سے پڑھا ہے اور ابتدائی فارسی والد مرحوم سے۔ والدہ محترمہ کے علمی و ادبی ذوق پر آج حیرانی ہوتی ہیں۔ ان کے کتب خانہ میں اردو فارسی دینی کتب کے علاوہ مخزن لاہور، الہلال کلکتہ، تہذیب نسواں لاہور، پیشوا دہلی، مولوی دہلی، عصمت دہلی ساقی دہلی، ہزار داستان لاہور، نیرنگ خیال، ہمایوں اور دیگر ادبی اور دینی رسائل کے پرانے فائل کچھ عرصہ بیشتر تک موجود تھے، جن کا کثیر حصہ شملہ میں تقسیم کی نذر ہو گیا اور کچھ ہماری نقل مکانی وغیرہ سے ضائع ہو گئے۔ بہر حال اس درازنفسی کا مطلب یہ ہے کہ بندہ نے گھر میں علمی و دینی و ادبی فضا پائی جس کی وجہ سے آٹھ نو سال کی عمر تک توبۃ النصوح، مرأۃ العروس، بناۃ النعش، مسدس حالی جیسی کتابیں پڑھ چکا تھا اور اردو کا مطالعہ اچھا خاصا ہو گیا تھا۔ خیر یہ توضمنی بات تھی جس کا اظہار اپنے بچپن کے ماحول کے اظہار کے لیے ضروری تھا۔

بندہ کی کم نصیبی ہے کہ کسی دینی مدرسہ یا دارالعلوم میں ابجد خوانی کا شرف حاصل نہ ہو سکا بلکہ جو شد بد نصیب ہوئی وہ اصلاً والدین کی برکت، مسجد کا فیض اور ثانوی و ادنیٰ درجہ میں سکول و یونیورسٹی کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔

بندہ کو سب سے پہلے جس کتاب نے متاثر کیا وہ پہلی جماعت کی کتاب ''اسلام کی پہلی کتاب'' [۱] (شائع کردہ انجمن حمایت اسلام لاہور) تھی، جس کے ابتدائی لفظ مدت گذر جانے کے بعد بھی کچھ کچھ یاد آتے ہیں۔ ''اللہ ایک ہے، پاک اور بے عیب ہے، اس جیسا کوئی نہیں، اس نے سب کو پیدا کیا، وہ سب کا پالنے والا ہے'' [۲]

۱؎ انجمن حمایت اسلام لاہور کی دینی خدمات میں اس کی اسلام کی پہلی کتاب سے چودھویں کتاب تک کا قدیم سلسلہ جو مولوی اسماعیل میرٹھی اور مولانا عبدالرحیم صاحب کا تیار کردہ تھا بہت کارآمد و مفید تھا۔ اس سلسلہ کا خاص امتیاز اردو کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مفید معلومات، تاریخ اسلام اور دینی علوم کا تعارف تھا۔ سیرۃ النبی کے علاوہ مسنون دعائیں، ترغیب وترہیب، منذری کا آسان زبان میں خلاصہ پانچویں سے نویں کتاب تک آگیا تھا۔ احادیث ترغیب وترہیب کا اثر اخلاق سازی میں بین وظاہر ہے۔ دسویں جلد تاریخ پر تھی وقس علی ھذا۔ بحمداللہ چوتھی جماعت تک بندہ نے یہ پورا سلسلہ پڑھ ڈالا تھا۔

۲؎ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۰ء تک ایسی کتابیں کہیں کہیں مدارس میں رائج تھیں، ہماری تعلیمی تاریخ کا یہ بھی المیہ ہے کہ پھر جو کتابیں آئیں ان کے ابتدائی فقرے توحید باری کی بجائے یہ تھے ''ابا بیٹھا حقہ پی رہا ہے''۔ ''اماں چرخہ کات رہی ہے۔'' پھر مزید ترقی ہوئی تو یہ الفاظ آئے ''بلی آئی، چوہا دوڑا''۔ اب Mummy sings, Father Dances یعنی ماں گاتی ہے، باپ ناچتا ہے۔ انا للہ۔

توحید کا جو نقش ان سیدھے سادے الفاظ میں دل پر مرتسم ہوا بحمداللہ تعالیٰ اعمال کی بے شمار کوتاہیوں کے باوجود شرک وبدعات سے نفرت کا سبب بن گیا اور پھر چند سال بعد جب مسدس حالی پڑھی تو اس کے یہ الفاظ رگ و ریشہ میں سرایت کر گئے،

یہ سنتے ہی تھرّا گیا گلہ سارا — یہ داعی نے للکار کر جب پکارا
کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق — زبان اور دل کی شہادت کے لائق
اس کے ہیں فرمان اطاعت کے لائق — اس کی ہے سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ — جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

بچپن اور مطالعہ: گھر کے ماحول کی وجہ سے بچپن میں شوق مطالعہ اس قدر جوان تھا کہ سکول کی لائبریری کے علاوہ جو کتاب ورسالہ یا اخبار مل جاتا تھا پڑھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس سلسلے میں دس بارہ سال کی عمر تک رطب ویابس کے ڈھیر پڑھ ڈالے۔ چوتھی جماعت میں ایک ہندو استاد نے ''تسہیل الاملا'' نامی ایک کتاب کا پتہ دیا۔ یہ ''تسہیل'' عربی فارسی اور اردو کے مشکل وثقیل الفاظ کا اچھا خاصا مجموعہ تھا۔ بندہ نے نہ

صرف اس سے ''املا'' کے لیے استفادہ کیا بلکہ اس کے الفاظ و معانی کو یاد کر لیا جس کا آئندہ اردو کتابوں کے پڑھنے میں بہت فائدہ ہوا۔

اسلامی تاریخ کا شوق والدہ محترمہ مدظلہا کے بیان کردہ تاریخی قصّوں سے پیدا ہو چکا تھا۔ ان دنوں گرمی ہم شملہ میں گذارا کرتے تھے، وہاں مکان کے قریب ایک لائبریری تھی جہاں کتابیں کرایہ پر پڑھنے کے لیے ملتی تھیں۔ تیسری جماعت میں تھا، سکول سے آتے ہوئے ایک تاریخی ناول ''فتح یرموک'' مصنفہ صادق صدیقی سردھنوی کرایہ پر لیا اور چونکہ والد مرحوم ناول پڑھنے سے منع کرتے تھے اس لیے بستہ میں چھپا کر لایا اور گھر والوں کی نظر بچا کر بستر میں کتاب پڑھنا شروع کی۔ میری ہیئت کذائی نے غمازی کی اور بڑے بھائی محمد اکرم صاحب نے بھانپ لیا، کمبل ہٹایا، دیکھا تو ناول تھا جس کے پہلے باب کا عنوان تھا ''تیر نظر''۔ بندش نے شوق کو مہمیز کیا چپکے چپکے پہلے صادق صدیقی اور پھر مولانا عبدالحلیم شرر کے تقریباً سب تاریخی ناول پڑھ ڈالے۔ صدیقی کی فتح انطاکیہ اور شرر کے ماہ ملک، عبدالعزیز ورجینا اور فلورا فلورنڈا وغیرہ سے طبیعت نے اثر لیا۔ اسی پانچ سات سال کے عرصہ میں پرانی طرز کی کتابیں گل بکاؤلی، قصّہ چہار درویش، قصہ ممتاز، حاتم طائی، طلسم ہوشربا، فسانہ آزاد وغیرہ نظر سے گذریں۔ (آہ! زندگی کے قیمتی لمحات کہاں صرف ہوئے)

مطالعہ کا ایک پوشیدہ رخ یہ تھا۔ دوسری طرف گھر میں اردو میں جو دینی ذخیرہ کتب موجود تھا اس کا کثیر حصہ بھی مطالعہ کی زد سے باہر نہ رہا۔ تفسیر حقانی، احسن التفاسیر، موضح القرآن، ترجمہ حضرت تھانوی، ترجمہ تجرید بخاری، بہشتی زیور وغیرہ اسی زمانہ میں نظر سے گذریں۔ ابن تیمیہ کی کچھ کتابوں کے تراجم، اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت، درۃ الناصحین، کچھ تاریخی کتب بھی اسی دور میں پڑھیں۔ مزید برآں نئے اور پرانے رسائل و اخبارات کا مطالعہ بھی جاری رہا۔ آج تک الہلال کی وہ فائل آنکھوں کے سامنے ہیں جو بڑی تقطیع اور چکنے کاغذ پر ٹائپ میں چھپے ہوئے تھے۔ اور جن میں ابوالکلام مرحوم کے پہلے دور کی الہلالی اردو جو اپنی برنائی و روانی شان و شوکت اور تحدّیانہ اسلوب میں اپنی خاتم آپ تھی، اپنی پوری جلوہ سامانیوں کے ساتھ جلوہ گر تھی۔ مخزن کے پرانے فائل، الہلال جدید، ہزار داستان، نیرنگ خیال، ہمایوں، زمانہ، تہذیب نسواں، رومان وغیرہ کونسے رسالے تھے جو مطالعہ میں نہ

آئے ہوں۔ راتیں بیت جاتی تھیں لیکن شوق ختم نہیں ہوتا تھا۔ یہاں مولانا ظفر علی خان کے زمیندار کے اداریوں کا تذکرہ بھی بیجا نہ ہوگا جو مسلمانوں کی شریفانہ اور غیر تمندانہ صحافت کا نقیب اور ادب کی ایک خاص صنف کا نمونہ تھا۔

صاف ظاہر ہے کہ اس رطب و یابس کا مطالعہ ہر صورت مفید نہیں ہوسکتا اور اپنی ادبیت کے باوجود عمرو عیار کی عیاریاں (طلسم ہوشربا) خوجی کی قرولی (فسانہ آزاد) کوہ ندا کی صدائیں (حاتم طائی کے قصے) سب افسانہ وفسوں اور بے فکر و آزاد اذہان کی پیداوار اور مسلمانوں کے دور زوال کی یادگار ہیں۔

سکول کے زمانہ میں جن شعراء نے زیادہ متاثر کیا وہ حالی، اقبال اور حفیظ جالندھری تھے۔ مسدس حالی، بانگ درا اور شاہنامہ اسلام کے صفحات ازبر (زبانی یاد) تھے اور ان سے ایک گونہ ایمانی قوت وملّی حمیت پاتا تھا۔ بارہا اقبال کی بعض نظموں نے اشکبار کیا۔ مسدس حالی کے نعت میں اشعار سہل ممتنع اور اپنا جواب آپ ہیں۔ آج بھی ان کی تازگی وحلاوت میں فرق نہیں آیا۔ حفیظ کا سلام، صحرا کی دعاء، بدر واحد کے معرکے اردو نظم میں خاصہ کی چیزیں ہیں۔ سکول کے زمانۂ تعلیم میں دینی کتب میں سے سب سے زیادہ اثر اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت کا رہا۔

کیمیائے سعادت امام غزالیؒ کی آخر عمر کی تصانیف میں سے ہے۔ ان کی زندگی کے تجارب کا نچوڑ اور احیاء العلوم کے مبہم مباحث کا خلاصہ ہے۔ ترجمہ کیمیائے سعادت سے احیاء العلوم کے ترجمہ مذاق العارفین کا شوق پیدا ہوا۔ احیاء کی وہ تاثیر آج بھی یاد ہے کہ چند سطریں پڑھ کر دل بیٹھتا معلوم ہوتا تھا، جس کی وجہ سے کئی مرتبہ کتاب کا مطالعہ رک جاتا تھا۔ غزالیؒ نے جس حال وکیفیت میں احیاء کو لکھا ہے اس کا کیف ایک ایک سطر سے جھلکتا ہے اور ان کے دل کی دھڑکن ہر لفظ سے سنی جاسکتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

سلسلے کا آئندہ ماہانہ اجتماع ۱۷ فروری ۲۰۰۷ء بروز ہفتہ بعد از نمازِ عشاء ہوگا۔ انشاءاللہ

جناب سید مسرت حسین شاہ صاحبؒ کی وفاتِ حسرت آیات (تیسری قسط)

(ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہٗ)

غیر نصابی سرگرمیوں کے ذریعے طلباء کی ذہنی تربیت کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ دراصل غیر نصابی سرگرمیاں طلباء کی شخصیت کی تعمیر میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ جہاں تک نصاب کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں اُردو ،فارسی اور عربی کے ادبی مضامین یا تاریخ ایسے مضامین ہیں جو شخصیت کو متاثر کرتے ہیں۔ جبکہ فزیکل ، بائیولوجیکل اور سوشل سائنسز جو طبیعات (Physics) ،کیمیا (Chemistry) ،ریاضی (Mathmatics) ،علمِ نباتات (Botany) ،علمِ حیوانات (Zoology)، اقتصادیات (Economics)، اور شہریت (Civics)، انسان کی شخصیت اور اخلاق کو براہ راست متاثر نہیں کرتے ، جبکہ غیر نصابی سرگرمیاں ایسی چیز ہیں جو انسان کے ذہن و اخلاق کو سخت متاثر کرتے ہیں ۔چنانچہ کھیل کھود جسمانی صحت کے ساتھ ساتھ برداشت ، تنظیم اور ضبط پیدا کرتے ہیں۔ جبکہ ادبی سرگرمیاں تو براہ راست اخلاق کو متاثر کرتی ہیں۔ چنانچہ آج اگر کالجوں کے ادبی رسالوں کو دیکھا جائے تو فحاشی کا نمونہ ہیں اور کالجوں میں ہونے والے ادبی تقریری مقابلے گھٹیا باتوں کی ترغیب دے رہے ہیں۔ اسلامیہ کالج کا خیبر یونین ہال جو اپنی تعمیر کے سو سال پورا کرنے کو ہے اس پورے عرصے میں ادبی اور کالج کی انتخابی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔ ہمارے وقت میں تو باقاعدہ یونین کے الیکشن ہوتے تھے۔ جنرل باڈی اور کابینہ اس میں بیٹھ کر بجٹ پاس کرتے تھے۔ اس طرح سے یہ ایک مغربی جمہوریت کا تربیتی ادارہ تھا۔ ساتھ میں Debates اور مباحثے ہوتے رہتے تھے۔ خیبر یونین ہال کی تعمیر اسلامیہ کالج کی دیگر خوبصورت مثالی تعمیروں کی طرح ہے جو واقعی سو سال پہلے تو بہت ہی خوبصورت ہوگی۔ اس ہال کو شاہ صاحبؒ نے ایک تربیت گاہ کے طور پر استعمال کیا اور اس میں ایسے مباحثے کرائے جو طلباء کے اندر اولوالعزمی ، جرأت ، شجاعت اور دین کے ساتھ وابستگی پیدا کرنے والے تھے۔ دو مرتبہ بندہ کا بھی مختلف موضوعات پر تقریر کے لیے جانا ہوا۔ عملی زندگی کے ساتھ وابستہ کئی دینی شخصیات کو شاہ صاحبؒ نے بلایا جنہوں نے اپنے تجربے کی روشنی میں طلباء کے دل و دماغ کو منور

کیا۔ ایک مرتبہ چراٹ کے کمانڈوز کو دعوت دی جنہوں نے خیبر یونین ہال میں اپنی فنی مہارت کا مظاہرہ کیا جو انتہائی دلچسپ ہونے کے ساتھ طلباء میں انتہائی جوش وخروش اور مردانگی پیدا کرنے والا تھا۔ بندہ بھی اس میں شامل ہوا اور بہت محظوظ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اگر طلباء کے سامنے ایسے بامقصد پروگرام آتے رہے تو اُن کی سیرت کی تعمیر میں اہم کردار ادا کریں گے۔ اس پروگرام کی وجہ سے اہم شخصیات شاہ صاحبؒ کی دعوت پر آرہی تھیں اس لیے کچھ لوگوں کا شاید خیال ہوا کہ اس طرح تو آدمی کے اہم تعلقات پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ کسی اور نے اس پروگرام کو لے لیا۔ اہم شخصیات دراصل شاہ صاحبؒ کے ذاتی تعلقات کی وجہ سے آرہی تھیں۔ شاہ صاحبؒ کو اپنی ذاتی اور خاندانی حیثیت سے تعلقات کی خاص ضرورت نہیں تھی۔ چنانچہ نئے لوگ پروگرام کو ایسی کامیابی کے ساتھ نہ چلا سکے۔ کالج کے کچھ لوگوں نے بندہ کے ساتھ بھی دوبارہ کالج آنے کے لیے وقت لینے کے لیے رابطہ کیا لیکن وہ تو شاہ صاحبؒ کے ذاتی تعلقات اور کشش تھی جس کی وجہ سے ہم لوگ اُن کی بات کو چھوڑ نہیں سکتے تھے اور جانے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

خدمتِ خلق:

شاہ صاحبؒ کے خاندان کو اللہ تعالیٰ نے مالی لحاظ سے کافی متمول حیثیت دی ہوئی تھی۔ اُن کے والد جناب پیر معصوم شاہ صاحب اور والدہ محترمہ نے اپنے مال کو خوب خدمتِ خلق میں خرچ کرکے آخرت کے درجے کمائے۔ علماء، مشائخ، دوست، مہمان، طلباء اور عام غرباء اکثر اُن کے دسترخوان پر موجود ہوتے تھے۔ اُن کے پہلے شیخ حضرت ڈاکٹر محمد امیر صاحبؒ کا تو آخری وقت اُن کے گھر پر ہی گزرا جس میں اُنہوں نے حضرتؒ کی دل کھول کر خدمت کی۔ حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانیؒ کی اکثر دعوتیں کرتے رہتے تھے جس میں بندہ بھی شریک رہتا تھا۔ کئی غریب طلباء کے تعلیمی اخراجات برداشت کیے اور انہیں برسرِ روزگار کرکے اپنے پاؤں پر کھڑا کیا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے بندہ سے فرمایا کہ ایک طالبِ علم ہے جو سخت سردی میں تقریباً بارہ کلومیٹر سے سائیکل پر اسلامیہ کالج آتا ہے۔ اِن دنوں اُس کی صحت اچانک بہت گر گئی ہے، اپنے بھائی ڈاکٹر مکرم شاہ صاحب ایسوسیٹ پروفیسر آف میڈیسن، خیبر تدریسی ہسپتال سے معائنہ کرانے پر معلوم ہوا کی اُسے تپ دق (ٹی۔بی) ہے۔ اُس کے علاج کے اخراجات تو ہم برداشت کریں گے، آپ ہاسٹل کے وارڈن

ہیں، رہائش اگر آپ دے دیں تو اُسے بہت سہولت ہوگی۔ چنانچہ بندہ کی ذاتی رہائش وارڈن لاج میں اُسے جگہ دلائی۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے صحت عطا فرمائی، تعلیم مکمل ہوئی، روزگار ہوا، شادی کی اور اپنے گھر پر آباد ہوا۔

پشاور یونیورسٹی تو ایک نظریاتی جگہ ہے۔ یہاں پر ہر نظریے کے لوگ طلباء کو شکار کرتے ہیں اور کئی ذہین (Talented) طلباء کو اپنے نظریات کا شکار کر کے اُن کی دنیا و آخرت تباہ کر دیتے ہیں۔ ہمارے طالبِ علمی کے دور میں کمیونسٹ لوگ طلباء کو شکار کر لیتے تھے اور اُن کو بے راہ روی اور معصیت کی زندگی پر ڈال دیتے تھے۔ جس سے آخرت کے نقصان کے علاوہ طلباء کا تعلیمی نقصان بھی ہو جاتا تھا۔ یہ طلباء اپنی نادانی سے اُن کا اُلو سیدھا کرنے کے لیے تو استعمال ہو جاتے تھے لیکن اپنا مستقبل برباد کر دیتے تھے۔ شاہ صاحبؒ ایسے کئی طلباء کو تبلیغی ماحول یا حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کی مجلس مہیا کر کے اُن کے رُخ کو بدل دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک طالبِ علم کے لیے اُنہوں نے خاصی محنت کی۔ ایک دن بندہ نے مزاحاً کہا کہ آپ کا فلانا دوست تو نماز میں نظر نہیں آتا، اُنہوں نے جواباً کہا کہ زیادہ کام تو نہ ہو سکا لیکن کم از کم اُس کا ڈنک نکال دیا، (لشہ مے ترے او وستہ)۔ یہ طالبِ علم کسی غریب خاندان کا تھا، کمیونسٹوں کے ہاتھ چڑھ گیا تھا اور بات کو آگے پھیلا رہا تھا۔ اُس کی مالی معاونت کر کے اُسے پڑھائی کی طرف مائل کیا، اچھے نمبروں سے کامیاب ہوا، اور اپنی دنیا اور آخرت تباہ کرنے والی دعوت سے باز آیا۔ ایسے طلباء کو اپنے ساتھ پھراتے تھے اور اُن کی حرکتوں کو نہیں چھیڑتے تھے، جب ان طلباء کی آمد و رفت کچھ دنوں ہمارے ماحول میں رہتی تھی تو اُن کو خود بخود اپنی گھٹیا اور پریشان کن زندگی سے نفرت ہو جاتی تھی۔

امیر اور صاحبِ حیثیت خاندانوں کے طلباء سے تعلقات بنائے، اُن کے علاقوں، گھروں میں جاتے آتے رہے، اس طرح ان طلباء کے والدین اور با اثر حضرات نے ہمارے سلسلے کے اچھے خاصے اثرات قبول کئے اور اُن کے علاقوں میں نمایاں تبدیلیاں آئیں۔

طلباء میں شاہ صاحبؒ کو ایسی مقبولیت حاصل تھی کہ یونیورسٹی میں طلباء کے بحرانوں کے دوران یونیورسٹی انتظامیہ مسائل کو حل کرنے کے لیے شاہ صاحبؒ کی مدد لیتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب سیٹھی اسماعیل صاحب نے غلط فہمی سے ایک فلم ”The Message“ یونیورسٹی کے اساتذہ کو دکھائی۔ یہ فلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بارے میں تھی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو نہیں دکھایا

گیا تھا جبکہ باقی صحابہؓ کے کردار تھے۔اس فلم پر یونیورسٹی میں سخت ہنگامے ہوئے۔حضرت مولانا اشرف صاحبؒ ان دنوں حج کے سفر پر گئے ہوئے تھے۔یونیورسٹی کے سارے کالجوں میں طلباء کی یونینز تھیں۔ادارۂ تعلیم وتحقیق کے صدر طالبعلم پیر عبدالقیوم شاہ ہمارے سلسلے سے متعلق تھے اُنہوں نے سیٹھی اسماعیل صاحب کو مشورہ دیا کہ اگر سلسلے میں مسرت حسین شاہ صاحبؒ اسلامیہ کالج اور ڈاکٹر فدا محمد، خیبر میڈیکل کالج کی خدمات حاصل کی جائیں تو مسئلہ حل ہوجائے گا۔وائس چانسلر صاحب نے ہمیں بُلایا اور اس سلسلے میں مدد کرنے کو کہا۔اُس سے صاف عرض کیا کہ یہ بات شرعی لحاظ سے انتہائی نامناسب ہوئی ہے،اس لیے آپ توبہ تائب ہوں،اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اوراس کی ہمیں تحریر دے دیں۔ہم طلباء سے بات کر کے اس مسئلے کو ختم کر دیں گے۔طلباء سے جب بات ہوئی تو اکثر نے بات کو مان لیا،صرف اسلامی جمیعت طلباء نے کہا کہ وہ ضرور جلوس نکالیں گے۔ بندہ کا خیال ہوا کہ ایک چھوٹا سا جلوس ہوجائے اور معاملہ رفع دفع ہوجائے گا۔بندہ نے جا کر سیٹھی اسماعیل صاحب سے عرض کیا کہ ایک مختصر جلوس ہوگا، باقی خیر ہوجائے گی، کیونکہ اسلامی جمیعت طلباء کے علاوہ باقی کوئی بھی نہیں ہوگا۔رات بارہ بجے شعبۂ اسلامیات کے ایک طالبعلم جاوید ابراہیم پراچہ نے اطلاع دی کہ صبح جو جلوس نکلے گا،انتظامیہ نے پیپلز سٹوڈنٹس فیڈریشن اور پختون سٹوڈنٹس فیڈریشن سے اُن کی پٹائی کرنے کا کہا ہے۔ہم کو یہ بات بہت بُری لگی اور صبح صبح بندہ نے جا کر سیٹھی اسماعیل صاحب سے عرض کیا کہ رات کو طلباء کو روکنے کا ہم نے جو وعدہ کیا تھا ہم اُس کے پابند نہیں ہیں کیونکہ حالات بدلنے کی وجہ سے طلباء ہمارے ہاتھ سے نکل گئے ہیں۔چنانچہ جلوس ہوا، سخت ہنگامہ ہوا، طلباء نے ایک دوسرے کی خوب پٹائی کی۔ حالات اتنے بگڑ گئے کہ اُس وقت کے گورنر فضلِ حق کو براہِ راست مداخلت کرنا پڑی اور اُس نے طلباء اور اساتذہ کے وفد کو بلا کر براہِ راست مذاکرات کئے۔جناب مسرت حسین شاہ صاحبؒ نے اس وفد کی قیادت کی۔مختلف فیڈریشنوں کے طلباء اس میں شامل تھے۔میڈیکل کے طلباء میں سے بندہ کو خلیق الزمان شاہد (موجودہ نیورو سرجن، (PIMS) اسلام آباد) یاد ہے۔وفد نے گورنر صوبہ سرحد فضل حق سے انتہائی کامیاب مذاکرات کئے۔ان کی ملاقات اور مذاکرات سے فضل حق بہت خوش ہوا، مسئلہ انتہائی خوش اسلوبی سے حل ہوا۔وائس چانسلر سیٹھی اسماعیل صاحب کی عزت بھی بحال رہی اور جو لوگ اُن کو ہٹانا چاہتے تھے وہ بھی کامیاب نہیں ہوئے۔ (جاری ہے)

حالتِ نزع (نویں قسط)

(ڈاکٹر فہیم شاہ، ڈسٹرکٹ اسپیشلسٹ، کوہاٹ)

ا۔ایک عورت جس کی عمر ساٹھ سال سے تجاویز کر گئی تھی، سینے میں درد کے ساتھ او۔پی۔ڈی میں لائی گئی۔چہرے کے خدوخال سے اپنی عمر سے دس سال زیادہ لگ رہی تھی۔چہرے پر جھریاں اور کپڑوں کی خستہ حالت، اس کی غربت اور غم واندوہ والی زندگی کا پتہ دے رہی تھیں۔میں نے اُس کا معائنہ شروع کیا تو وہ تکلیف سے کراہ رہی تھی۔''مجھے بٹھاؤ میرا سانس بند ہو رہا ہے، پانی ہے، پانی ہے، میرے ہونٹ خشک ہو رہے ہیں، ارے گلو مجھے پانی پلاؤ، ڈاکٹر صاحب میرے سینے کے دائیں حصے میں سوئیاں سی چبھی ہوئی ہیں۔مجھے بہت تکلیف ہے۔'' یہ تھے اس کے الفاظ جو اپنے کراہتے ہوئے لہجے میں بول رہی تھی۔میں نے اُس کا معائنہ کیا اور ٹسٹ لکھ کر دیئے۔ایکسرے کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے سینے کے دائیں طرف پیپ ہے۔اب اس کو داخل کرنا ضروری تھا تا کہ اس کے جسم سے پیپ نکالی جا سکے۔لیکن ہمارے سمجھانے کے باوجود وہ داخلے کے لیے تیار نہیں ہوئی، بہرحال جو پیپ ہم سرنج کے ذریعے نکال سکتے تھے وہ نکال دی اور دوائیاں لکھ کر گھر رُخصت کر دیا۔اُس کا کہنا تھا کہ میں گھر جانا چاہتی ہوں اگر مجھے مرنا ہی ہے تو گھر پر ہی مروں گی۔یہاں میرا دم گھٹتا ہے۔وہ چلی گئی۔تقریباً دو ہفتے بعد دوبارہ لائی گئی وہی فریاد، وہی الفاظ۔اسی پیاس کے ساتھ دوبارہ میرے سامنے پڑی تھی۔اِس دفعہ میں نے اُس کے رشتہ داروں سے کہا کہ اس کو داخل کروتا کہ اس کو انجکشن لگیں اور سینے میں پیپ کا ایکسرے (انعکاس) کیا جا سکے۔اس کی رشتہ دار عورت نے مجھ سے کہا ان دو ہفتوں میں نہ یہ سوئی ہے نہ ہمیں سونے دیا ہے۔ہر وقت پیاس، ہر وقت پانی کی رٹ سے ہم تنگ آ گئے ہیں۔اس کے چہرے کا رنگ کافی خراب ہو گیا تھا۔داخلے کے دوسرے دن اس کی حالت کافی خراب ہو گئی۔جو ممکن علاج تھا وہ ہم کر چکے تھے۔چھوٹے آپریشن کے ذریعے اس کو پیپ کے لیے بوتل لگا دی تھی۔تا کہ پیپ آہستہ آہستہ نکلتی رہے۔اس کے کراہنے کی آواز اب مسلسل نکل رہی تھی، اس کا دم توڑتا سانس کمزور ہو رہا تھا، مدہم پڑتی نبض اور اس کی پتھرائی ہوئی آنکھیں اس پر گزرنے والی روحانی کیفیات بتا رہی تھیں۔کچھ دیر بعد اس کے گلے سے خرخر کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔کوئی انجکشن کوئی دوائی ہماری کارگر نہ ہوئی۔میں نے پاس کھڑی عورت

سے پوچھا بہن خفا نہ ہو اس کی دینی حالت کے بارے میں مجھے بتا دو۔ اس کے حالات سے لگتا ہے کہ یہ نماز نہیں پڑھتی تھی اور چہرے کی رنگت اور تبدیل شدہ خدو خال سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید ہی زندگی میں اللہ کا ذکر اور درود شریف پڑھا ہو۔ وہ عورت کہنے لگی، میری زندگی میں اس نے کوئی نماز نہیں پڑھی نہ میں نے سنا ہے کہ نماز پڑھی ہے۔ بات کا بتنگڑ بناتی تھی، سچ بولنا کم تھا، ساری زندگی تکلیفوں میں گزاری، کبھی راحت نہیں دیکھی۔ اللہ کا ذکر تو دور کی بات ہے، گالی گلوچ کافی تھا۔ وہ عورت سچ کہہ رہی تھی یا جھوٹ لیکن اس عورت کے آخری لمحات ہماری عبرت کے لیے کافی تھے۔ وہ دنیا سے رُخصت ہوگئی۔ اُس کو ٹرالی میں لٹا کر لے جایا گیا خالی ہاتھ۔ اس کی پہلی رات قبر میں کیسی گزری ہوگی، آنے والے لمحات کیسے ہوں گے، اس سے ہم بے خبر دنیا میں مشغول لوگ عبرت نہیں لیتے۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے

یہ عبرت کی جاء ہے تماشا نہیں ہے

کچھ بھی ہو اس طرح کی تکلیفیں جب مسلمان پر آتی ہیں، گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور مغفرت کا سامان ہو جاتا ہے۔

۲۔ ایک ایمرجنسی کے دن میری ڈیوٹی وارڈ میں تھی۔ ایک بستر پر ایک مریض کو داخل کیا گیا، اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا۔ میں نے اس کا معائنہ کیا اور دوائیاں تجویز کر کے دوسری طرف متوجہ ہوا، کچھ دیر بعد دوبارہ آیا تو ٹھنڈا پڑا تھا۔ چہرہ سنت سے خالی تھا۔ تھوڑی دیر بعد دوسرے مریض کو اسی بستر پر ڈالا گیا، اس کو بھی دیکھ کر دوائیاں تجویز کی گئیں، اس کی حالت بھی خراب تھی، کچھ دیر بعد وہ بھی چل بسا۔ اس کا چہرہ بھی سنت سے خالی تھا۔ یکے بعد دیگرے کوئی چار سے پانچ گھنٹوں میں پانچ بیمار رُخصت ہوئے سب کے سب سنت سے خالی چہرے لیے دنیا سے رخصت ہوئے۔ ساتھ پڑے ایک بیمار نے آکر درخواست کی کہ میری حالت بھی ٹھیک نہیں ہے ساتھ والے بستر پر پانچ اموات ہو چکی ہیں خدارا مجھے اس جگہ سے تبدیل کرو، ایسا نہ ہو میرا نمبر آجائے، کیونکہ اس بستر پر اب مزید اموات شاید نہ ہوں اور میرے والے بستر پر سے آغاز نہ ہو جائے۔ وہ جس معصومیت سے کہہ رہا تھا اس پر مجھے ہنسی آرہی تھی۔ میں نے اس کو تسلّی دی کہ یہ سارے سخت بیمار تھے آپ اتنے سخت بیمار نہیں ہیں۔ لیکن وہ کسی صورت میں ماننے کو تیار نہیں تھا، بہر حال اس کا بستر ہم نے تبدیل کر دیا

تا کہ اس کو سکون ہو۔موت تو جدھر مقرر ہے اُدھر آتی ہے۔ ہماری موت سے گھبراہٹ ہمارے ایمان کی کمزوری ہے اور اللہ سے لاتعلقی کی علامت ہے۔اللہ سے تعلق ہو تو اللہ سے ملنے کی آرزو شدت کے ساتھ ہوتی ہے۔صحابہ کرامؓ دنیا سے رُخصت ہوتے وقت خوش ہوتے تھے۔

۳۔ایک دفعہ میرے کلینک میں ایک اٹھاون (۵۸) سالہ عورت اپنی دو جوان بیٹیوں کے ساتھ آئی۔اس نے بال کالے کئے ہوئے تھے،پان کی شوقین لگتی تھی۔اس کی عادات و اطوار سے گھر کے بے دین ماحول کا اندازہ ہو رہا تھا۔میں نے اس عورت کا معائنہ کرنے کے بعد مزاحاً کہا کہ آپ کی صحت سے اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ کی موت سات دنوں میں ہی آئے گی۔بس اس جملے کا کہنا تھا کہ اس عورت کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔اس کی بیٹیوں نے رونا شروع کر دیا،’’ہائیں،ہائیں ہائیں،ارے یہ ڈاکٹر ہے یا موت کا فرشتہ ،کیسی باتیں کرتے ہیں آپ،آپ تو ڈاکٹر ہیں ہمیں تسلّی دینے کے لیے اور علاج کرنے کے لیے بیٹھے ہیں نہ کہ موت تقسیم کرنے کے لیے۔اب آئندہ کبھی نہیں آئیں گے۔چلیے امی اُٹھیں ہم جاتے ہیں کہیں سچ مچ آپ مر نہ جائیں۔میں نے دل میں کہا لو اب سنبھالو لینے کے دینے پڑ گئے۔میرا کمرہ ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔میں نے ان کو تسلّی دینے کی بہت کوشش کی مگر وہ چپ ہی نہیں ہوتیں تھیں،ساتھ ہی مجھے ہنسی بھی آرہی تھی۔ایک بیٹی کہنے لگی یہ کیسا ڈاکٹر ہے ہمیں موت کا پیغام دے کر خود ہنس رہا ہے۔نہیں نہیں ہماری امی نہیں مر سکتی،ابھی انھوں نے دیکھا ہی کیا ہے۔میں نے کہا کیوں نہیں دیکھا،اپنی زندگی کی اٹھاون بہاریں اور اٹھاون خزانیں دیکھ چکی ہیں۔وہ عورت کہنے لگی ارے چپکے رہ میں نے اٹھاون بہاریں اور دیکھنی ہیں۔میں نہیں مر رہی۔مرے گا تو تُو مرے گا۔میں نے کہا اماں خفا نہ ہوں میں تو مزاق کر رہا تھا۔ہر انسان کی موت سات دنوں میں ہی آتی ہے،کوئی اٹھواں دن تو ہوتا ہی نہیں ہے۔اگر آپ ان سات دنوں میں نہیں مریں گی،تو کب مریں گی۔’’ہائیں یہ تو پھر کہہ رہا ہے کہ آپ ان سات دنوں میں مریں گی۔اب کیا خاک دوائی لکھیں گے،دیکھیں میری امی کا چہرہ کیسا کِھلا ہوا تھا اور آپ کے الفاظ سے کیسا مرجھا گیا ہے۔ہماری امی کو کوئی بیماری نہیں ہے۔بس تھوڑی بہت دوائی لکھ دیں تا کہ یہ رات کو نیند کر سکے۔بہر حال ان کو تسلّی دے کر جب رُخصت کرنے لگا تو پھر ایک جملہ کہہ دیا کہ اماں! میاں صاحب (خاوند کو میاں صاحب کہتے تھے) کو کہنا کہ تیاری کریں۔اس کے خاوند کو میں جانتا تھا،ایک دفعہ میرے پاس پہلے آ چکے تھے۔وہ عورت کہنے لگی ارے ڈاکٹر اگر میں مری نا،تو میاں صاحب کو بھی

نہیں چھوڑوں گی۔ تمھاری تیاری کا مطلب ہے کہ وہ دوسری شادی کرے۔ ارے چپکے رہ، میرے جیتے جی وہ کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر تو دیکھے۔ میں نے کہا جو جی میں آئے کرنا لیکن میرے مزاق کو معاف کر دینا۔ وہ تو رُخصت ہو گئے اور مجھے حضرت خواجہ مجذوب صاحبؒ کے یہ شعر یاد آئے؛

حسنِ ظاہر پر اگر تو جائے گا　　عالمِ فانی سے دھوکا کھائے گا

یہ منقش سانپ ہے ڈس جائے گا　　یاد رکھ غافل کہ پھر پچھتائے گا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے　　کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے (جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

جناب پروفیسر ڈاکٹر نعمان صاحب کو مبارک باد

محققین کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی کرامات پس از مرگ بھی جاری رہتی ہیں۔ حضرت (مولانا اشرف صاحبؒ) کے خلفاء اور مریدین موقع بہ موقع اس بات کو محسوس کرتے رہتے ہیں۔ جس دن پروفیسر نعمان صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی ہوئے۔ بندہ نے کہا کہ یہ حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کی کرامات کا ظہور ہوا ہے۔ اسی مہینے نعمان صاحب کو (I.E.R)، ادارۂ تعلیم و تحقیق کا ڈائریکٹر بنایا گیا۔ یہ بھی حضرت کی کرامت کا ظہور ہے۔ اللہ تعالیٰ نعمان صاحب کے لیے مبارک کرے۔ باہمت، متواضع اور مخلص شخصیت ہیں۔ ہر کسی کے قدردان ہیں۔ انشاء اللہ کامیاب ہوں گے۔ یہ بات پوری یونیورسٹی کے لیے نیک فال ہے۔

تعزیت

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مُرجھا گئے

برخوردار منیب اللہ حادثے کے بعد تین مہینے چارپائی پر رہ کر وفات پا گئے۔ ۲۷ سال عمر تھی، غیر شادی شدہ تھے۔ حادثے میں سر پر چوٹ لگی (Head Injury)۔ PIMS میں ملک کے مشہور Neuro.Surgeon ڈاکٹر خلیق الزمان کے زیرِ علاج رہے۔ ڈاکٹر صاحب نے پوری کوشش کی لیکن،

تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

اللہ تعالیٰ انھیں مغفرتِ تام نصیب فرمائے۔ ڈاکٹر امداد اللہ، ثاقب اللہ اور مولانا شعیب اللہ صاحب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔　　(ادارہ)

☆☆☆☆☆☆☆

چارسدہ کے ایک معمر شخص کے حالات

(محمد الطاف حسین، لیکچرار اسلامیہ کالج پشاور)

جس معمر بزرگ شخص کا یہ تذکرہ ہو رہا ہے، وہ ہمارے سلسلے کے ایک پرانے ساتھی محترم فواد خان صاحب کے دادا محترم حاجی صفدر خان ولد فوجون خان صاحب، موسیٰ کلے باںڈہ اتمانزئی، تخت بھائی روڈ چارسدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لمبی زندگی عطا فرمائی ہے۔ عمر تقریباً سو سال ہے لیکن اب بھی انتہائی تندرست، قوی اور ہوش وحواس میں بہت بیدار ہیں۔ اپنی لمبی عمر کے بارے میں خود ہی بتاتے ہیں کہ جب ہندوستان سے مسلمانوں نے ۱۹۱۹ء کی تحریکِ خلافت میں ہجرت کی تھی اُس وقت میری عمر تقریباً بارہ سال تھی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نیک اور صالح اعمال میں قبر وآخرت کی لازوال اور نہ ختم ہونے والی نعمتیں و انعامات تو رکھیں ہی ہیں لیکن ان اعمالِ صالحہ کی برکتیں اس دنیا میں بھی خوب واضح طور پر مشاہدہ میں آتی ہیں۔ مثلاً صحت میں برکت، رزق میں برکت، عمر میں برکت یعنی لمبی اور باعزت زندگی، اولاد میں برکت وغیرہ۔ فواد صاحب کہتے ہیں ہمارے دادا صاحب کو بھی اللہ تعالیٰ نے اعمالِ صالحہ کی برکات اس دنیا میں عطا فرمائی ہیں۔ عمر تقریباً سو سال ہے لیکن اب بھی ماشاء اللہ خوب تندرست وتوانا اور باہوش آدمی ہیں، تبلیغی تحریک میں ابھی تک انتہائی انہماک اور شوق سے فعال ہیں، علاوہ ازیں فواد صاحب کہتے ہیں کہ جب تک مجھے یاد پڑتا ہے دادا صاحب سے رمضان المبارک کے آخری عشرہ کا اعتکاف کبھی بھی نہیں چھوٹا۔ انہی اعمال نیک کا ثمرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لمبی، صحت مند اور باعزت زندگی عطا فرمائی ہے۔

فواد صاحب کہتے ہیں کہ دادا صاحب سے ایک دن پوچھا کہ میں نے سنا ہے یہاں چارسدہ میں کچھ لوگوں نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اس بارے میں آپ کو کچھ معلومات ہیں؟

دراصل جس وقت انگریزوں نے جب ہندستان میں قدم جمائے ہیں تو سب سے زیادہ مزاحمت اُن کو مسلمانوں کی طرف سے ہوئی ہے کیونکہ مسلمانوں کی سرشت میں حریت، آزادی اور اپنے لیے شرعی نظامِ حکومت کا قائم کرنا داخل ہے یہی وجہ تھی کہ انگریز نے بظاہر قبضہ تو کر لیا لیکن چین اور سکون

کے حالات کبھی بھی ان کو ان مجاہدین کے ہاتھوں نصیب نہیں ہوئے، اور چند ہی سالوں میں شاملی کے میدان میں ان چند اللہ والوں نے انگریز کے خلاف علم جہاد وقتال بلند کیا اور انگریز پر ثابت کر دیا کہ ہم فرزندان اسلام اپنے دین اور مسلمانوں کی سرزمین کو اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر کے حاصل کر کے رہیں گے۔ اور جب یہ حالات انگریزوں کے قابو سے باہر ہوتے گئے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کسی طرح اس چیز یعنی قتال کو روکا جائے۔ اِن کے ماہرین نے رائے دی کہ قرآن میں تبدیلی کی جائے تاکہ ان کا جذبۂ قتال ختم ہو جائے تو خود بخود یہ مزاحمت ختم ہو جائے گی۔ کسی نے کہا کہ قرآن میں تحریف عام لوگوں کا کام نہیں ہے اس کے لیے نبی کی ضرورت ہے۔ لہٰذا انگریزوں نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت پورے ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اپنے خریدے ہوئے لوگوں سے جھوٹی نبوت کے دعوے کرائے اور قرآن مجید کی تعلیمات کی اپنی مرضی سے جھوٹی تشریحات کی گئیں۔ خیر یہ بات تو ضمنی طور پر آ گئی۔ اس جھوٹی نبوت کی تحریک کی ایک کڑی کے طور پر، چارسدہ میں تین مختلف جگہوں پر تین مختلف اشخاص سے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرایا گیا۔ اس کی تصدیق فواد صاحب کے دادا صاحب نے کر دی۔ فواد خان کے سوال پر دادا صاحب نے کہا کہ اُس وقت میری عمر اچھی تھی یعنی بارہ سال سے زیادہ تھی۔ یہ واقعہ ۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۰ء کے درمیانی سالوں میں پیش آیا۔ تینوں جھوٹے نبیوں کو مسلمانوں نے گرفتار کیا کہ یہ ہمارے ایمان اور غیرت کا مسئلہ ہے، ہم ایسی کسی بات کو برداشت نہیں کر سکتے جس میں ہمارے ایمان اور غیرت کا سودا کیا جائے۔ ہمارے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکت سے بڑھ کر کوئی دوسری ہستی ہو ہی نہیں سکتی جس کے لیے ہم کسی ایسی بات کو برداشت کر سکیں جس سے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارک میں کسی قسم کی گستاخی کا ادنیٰ سا شائبہ بھی ہوتا ہو، لہٰذا دادا صاحب نے کہا کہ چارسدہ کے غیور مسلمانوں نے آنِ واحد میں اِن تینوں گستاخوں کو پکڑ کر چارسدہ کے مشہور تحصیل والے قبرستان میں انگریز افسروں اور Assistant Comissioner کے سامنے گولیوں سے چھلنی کر دیا اور سرکار پر واضح کر دیا کہ ہمیں اس طرح کے معاملات میں کسی قسم کی سرکاری کاروائی

اور عدالتی چارا جوئی کی ضرورت نہیں اور نہ ہم اس معاملہ میں کسی طرح بھی کسی دوسری قوم وملک کے دباؤ میں آنے والے ہیں۔اس طرح اللہ تعالیٰ نے پورے علاقے کو اس فساد اور بے برکتی سے محفوظ فرمادیا۔

فواد صاحب نے مزید بتایا کہ دادا صاحب نے کہا کہ ہم نے ۱۹۱۹ء میں انگریز حکومت کی پالیسیوں سے تنگ آکر افغانستان ہجرت کی۔اُس وقت میری عمر تقریباً چودہ سال تھی۔ہجرت کی دو بڑی وجوہات یہ تھیں؛

۱۔انگریزوں نے قانون پاس کیا کہ جنازے کے ساتھ چار بندوں سے زیادہ کوئی نہیں جائے گا۔اور

۲۔بچہ پیدا ہونے کی صورت میں عورت کو لازماً ہسپتال لانا ہوگا۔

اس پر عباس خان ولد شہباز خان جو اس ہجرت کے وفد کا امیر بھی تھا، نے انگریزوں سے کہا کہ آپ اپنی عورتوں کو ہمارے ہاں بھیج دیں اور ہماری عورتوں کا امتحان لے لیں، وہ آپ کی عورتوں سے زیادہ سمجھدار اور تجربہ کار نہ ہوں تو پھر کہنا۔ہم اپنی عورتوں کو عیسائیوں کے ہسپتال میں نہیں بھجیں گے۔اس پر ہم لوگوں نے عباس خان کی قیادت میں افغانستان ہجرت کی۔وہاں امان اللہ خان کی حکومت تھی۔جلال آباد سے کچھ دور ''کامہ'' نامی جگہ پر بیس دن گزارے اور پھر واپس اپنے وطن لوٹے۔اُس وقت عباس خان سفید گھوڑے پر سوار تھے۔حاجی صفدر خاں صاحب کو قوتِ حافظہ اتنی زیادہ عمر میں اب بھی قابلِ رشک ہے۔کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ایک کتا بھی اس ہجرت کے سفر میں تھا جو آٹھ دن بعد ہمارے پاس پہنچ گیا تھا۔

آپ ایک نیک سیرت اور عبادت گزار انسان ہونے کیساتھ ساتھ ایک بہادر اور جرأت مند مجاہدِ اسلام بھی ہیں۔آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد میں بھی حصہ لیا۔خود کہتے ہیں کہ ۱۹۳۰ء میں ہم نے انگیریزوں کے خلاف شکاری بابا (حکاری بابا اُتمانزئی، چارسدہ) کے علاقے میں قتال کیا۔یہ عید الفطر کا دوسرا دن تھا۔اس معرکہ میں خود میں بھی زخمی ہوگیا تھا۔

اللہ تعالیٰ حاجی صفدر خاں صاحب کی زندگی میں اور برکت عطا فرمائیں اور اُن کی اولاد کو دین ودنیا کی نعمتوں سے مالامال کریں اور اُن کی اُسوہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمادیں۔آمین

☆☆☆☆☆☆☆

ایڈیٹر کے نام ایک خط

محترم جناب ڈاکٹر طارق صاحب،

اسلام علیکم!

''غزالی'' ہاتھ میں لگتے ہی تمام کا تمام جب تک نہ پڑھ لوں کسی طور چین نہیں آتا۔ دو تین ماہ سے قلمی مصروفیات بالکل ترک تھیں۔ شدید قسم کے ڈپریشن کا شکار تھی۔ شکر میرے مولا کا جس نے اپنی اس گناہ گار، سیہ کار بندی کو اس تکلیف سے نجات دی۔ وجہ ساری یہ ہے کہ مجھ میں منافقت نہیں۔ میں نہ ہی ایسے لوگوں میں اُٹھنا بیٹھنا پسند کرتی ہوں۔ ایسے لوگوں کی صحبت سے تنہائی اچھی ہے اور اپنے سوہنے رب سے باتیں کرنا دنیا کے ہر کام سے افضل ہے۔ بہر حال اپنی دُعاؤں میں اِس دینی بہن کو ضرور یاد رکھا کریں، نجانے کس کی دُعا کام آجائے۔ جلد ہی کوشش کروں گی کہ آرٹیکلز لکھ کر بھیجوں۔ آپکا مضمون اکتوبر کے ''غزالی'' میں پڑھا۔ جسکا موضوع تھا ''صُحبتِ صالح کی اہمیت'' جو کہ آپکا منتخب کردہ تھا۔ پڑھکر واقعی شرمندگی محسوس ہوئی کہ دُنیا جہاں کی خرافات کے لئے ہمارے پاس وقت ہوتا ہے مگر کسی بزرگ کسی صالح کی قُربت وہم نشینی ہمیں ڈستی ہے۔ کاش ہم سدھر جائیں تو پورا معاشرہ ہی سُدھر جائے۔ ''حالتِ نزع'' ہر بار ہی بہت دلچسپی سے پڑھتی ہوں اور پھر اپنی حالتِ نزع کا سوچ کر لرز اُٹھتی ہوں۔ اللہ پاک حالتِ ایمان ہی میں اُٹھائے مگر محترم ایک بات ذہن میں کھٹکتی ہے کہ کیا تمام گنہگار اسی طرح تکلیف سے مرتے ہیں۔ کئی ایسے نیکوکار مومن اور مومنہ کو دیکھا کہ آج بھی اُن کی حالتِ نزع کا تصور کر کے رُوح کانپ اُٹھتی ہے۔ ہماری ایک عزیزہ کا خیال ہے کہ یہ اُن کے گناہوں کی سزا ہے۔ جو بیمار ہو کر مرتے ہیں (نعوذ باللہ) بھلا ہم گناہ گار کون ہوتے ہیں جو کسی کے لئے سزا و جزا کا فیصلہ کریں۔ اس بارے میں تفصیلاً ضرور بہ ضرور آرٹیکل لکھئے گا۔ دوسری بات آپ سے پوچھنا ہے کہ پہلے پڑھا اور سُنا کہ مرد سُسر بہو کے لئے نامحرم ہے اور عورت ساس داماد کے لئے نامحرم ہے۔ مگر پچھلے دنوں ایک میگزین میں پڑھا کہ سُسر بہو کے لئے نامحرم نہیں ہے اسی طرح ساس داماد

کے لئے نامحرم نہیں ہے۔ پلیز اس مسئلے پر بھی ذرا روشنی ڈالئے گا۔ اکتوبر کے ہی ماہنامے میں ''ایٹمی دھماکے اور روحانیت'' پڑھا۔ پڑھکر معلومات میں اضافہ ہوا۔ اِس سے پہلے یہ سب معلوم نہ تھا۔ ذہن کے دریچے کُھل گئے ایسا خوبصورت مضمون پڑھ کر۔ محترم ڈاکٹر فدا صاحب کے تمام مضامین پڑھکر رشک آتا ہے کہ کاش مجھ ناچیز کو بھی علم میں اتنی فضیلت حاصل ہو جائے۔ کیونکہ مجھے بے حد شوق ہے علم حاصل کرنے کا۔ آج بھی اگر اجازت ملے تو ایم۔ فِل شروع کرلوں۔ نہایت دُکھ ہوتا ہے اپنی تعلیم کے ادھورا رہ جانے کا۔ نومبر کے ماہنامے میں ''رویتِ ہلال'' بہت دلچسپ تھا۔ تین عیدوں کی کسک دوبارہ جاگ گئی۔ کاش کہ ہم سب متحد ہو جائیں اور صرف اور صرف مسلمان بن جائیں نہ کوئی سندھی ہو نہ پٹھان نہ پنجابی۔ کاش؟ ''تشبہ بالکفار'' اُن لوگوں کے لئے آئینہ ہے جو غیر اقوام کی تقلید کرتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ کس دین کے پیروکار ہیں اور کس پیغمبر ﷺ کی اُمت ہیں۔ ''نئی نسل کے مسائل'' کافی منفرد سا مضمون تھا۔ ہر مسئلہ کا حل صرف اور صرف اسلام میں مضمر ہے اور تمام پریشانیوں کی وجہ ہماری مذہب سے دُوری ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

والسّلام

دعا گو، فائزہ شہزاد حیات آباد پشاور

جواب:

جی ہاں سُسر بہو کے لیے باپ کی طرح ہے اور ساس داماد کے لیے ماں کی طرح ہے، یہ دونوں رشتے بالکل محرم ہیں۔

آپ کی غزالی کے بارے میں دلچسپی کا ادارہ بہت ممنونِ احسان ہے۔

بطورِ شکریہ آپ کو ڈاکٹر طارق صاحب ادارے کی طرف سے مندرجہ ذیل کتابیں بطور ہدیہ (Gift) بھجیں گے۔

۱۔ مردِ درویش، ۲۔ نوائے درویش، ۳۔ معارف الحدیث۔

☆☆☆☆☆☆☆

چند فتاویٰ اوراس کا جواب

محترم مفتی آفتاب عالم صاحب مدّ ظلہٗ ،

اسلام علیکم ! اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ آپ خیریت سے ہونگے۔ برائے مہربانی زکوۃ کے بارے میں مندرجہ ذیل مسائل میں رہنمائی فرمائیں۔

(۱) ایک آدمی پلاٹوں کی تجارت کرتا ہے، پلاٹ خریدتا اور بھیجتا ہے۔اس پر زکوۃ ہے یا نہیں۔

(۲) اگر کسی آدمی نے اپنے لئے پلاٹ اس نیت سے خریدا ہے کہ وہ مستقبل میں اس پلاٹ پر اپنے لئے گھر تعمیر کرے گا تو اس بارے میں زکوۃ کا کیا حکم ہے۔

(۳) اگر کسی آدمی کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ رقم پڑی ہے اور اُس نے اپنی رقم کو محفوظ کرنے کیلئے اس رقم سے پلاٹ خرید لئے۔ تو اس کے بارے میں زکوۃ کا کیا حکم ہے۔

والسلام

آپ کا خیر اندیش عماد الحق،

پشاور یونیورسٹی، ۱۴رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ

الجواب حامداً و مصلّیاً

(۱) جی ہاں، مالِ تجارت ہونے کی وجہ سے ان پلاٹوں کی مالیت اور منافع میں زکوٰۃ لازم ہے۔

فی الدرالمختار (۱۸۶/۳)

او نیۃ التجارۃ فی العروض، اما صریحاً۔۔۔او دلالۃ بان یشتری عیناً بعرض التجارۃ۔۔۔الخ

(۲) مستقبل میں گھر تعمیر کرنے کی نیت سے خریدے گئے۔ پلاٹ پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

فی الشامیۃ (۱۸۲/۳)

تحت قولہ (واثاث المنزل ودور السکنی) ای کثیاب البدن الغیر المحتاج الیہ او کالحوانیت۔۔۔

(۳) ایسے پلاٹ پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔ تاہم اس پلاٹ کی وجہ سے مالک پر قربانی لازم ہوگی نیز اگر اس کی مالیت نصابِ حج کے بقدر ہو تو حج بھی لازم ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

آفتاب عالم عفی عنہ

دارالافتاء مدرسہ امجدیہ، دانش آباد پشاور، ۱۶-۹-۱۴۲۷ھ

(ذکر بالجہر واجتماعی ذکر)

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین اندریں مسئلہ، کہ

(۱) ذکر بالجہر جائز ہے؟

(۲) ذکر بالجہر اجتماعی کیلئے مجالس کا انعقاد جائز ہے؟

(۳) ذکر بالجہر اجتماعی بیک لفظ وآواز جائز ہے؟

(۴) تداعی و وقت کے تعین کے ساتھ جائز ہے؟

برائے مہربانی مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

والسلام

محمد بلال

الجواب حامداً ومصلیاً

۱،۲،۳،۴__ ذکر بالجہر جائز ہے بشرطیکہ اس جہر سے کسی کی نماز میں یا کسی کی نیند یا تلاوت میں خلل نہ آئے۔ نیز ذکر بالجہر بیک آواز والفاظ جائز ہے۔ اسی طرح اس کیلئے مجلس کا انعقاد اور وقت متعین کرنا بھی شرعاً ناجائز نہیں ہے۔ تاہم اس کو فرض وواجب سے سمجھنا درست نہیں۔

فی الشامیۃ (۴۸۸/۱)

فی حاشیۃ الحموی عن الامام الشعرانی اجمع العلماء سلفاً وخلفاً علی استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا الاان یشوش جھرھم علی نائم اومصل اوقاری۔۔۔۔الخ

واللہ اعلم بالصواب

آفتاب عالم عفی عنہ

دارالافتاء جامعتہ ابوھریرہؓ، خالق آباد، نوشہرہ، ۲۰/۸/ ۱۴۲۵ھ

☆☆☆☆☆☆☆

تقریظ کتاب ”انوارِتصوف“

(حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہ)

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم!

عموماً دیکھا گیا ہے کہ جب ہم علماء کے سامنے یہ تذکرہ ہو کہ فلاں دکاندار نے آج ہزاروں روپے کمائے۔فلاں وزیر بن گیا۔فلاں کی اتنی جائیداد ہے۔تو ہمیں اس کے ساتھ مقابلہ کے جذبات محسوس نہیں ہوتے۔ایک طرح سے ہمیں شکر محسوس ہوتا ہے کہ ہم میں حسد نہیں ہے۔لیکن پتہ اس وقت چلتا ہے کہ جب کوئی کہے کہ فلاں مولوی صاحب نے بہت اعلیٰ تقریر کی،بہت علمی درس دیا یا بہت مفید کتاب لکھی۔تو اس وقت آدمی اپنے باطن کو دیکھے کہ کچھ ناگواری یا جلن محسوس ہو رہی ہے۔واقعی یہ امتحان تو اپنے شعبے کے لوگوں کے ساتھ مقابلہ آنے میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حسد سے محفوظ فرمائے۔البتہ رشک کو شریعت نے مباح کیا۔بندہ کو اگر کسی کے ساتھ رشک محسوس ہوتا ہے تو ایسے آدمی کے ساتھ جسے اللہ نے علم دیا ہو یعنی درسِ نظامی کا فارغ التحصیل ہو۔اہلسنت والجماعت کے عقائد ہوں۔کسی شیخ سے تربیت لی ہو اور تکمیل کی ہو۔اعمال واشغال تصوف کی عملاً خود پابندی کرتا ہو۔اور ان کو عوام میں برت کر اور چلا کر ان کے ذریعے اصلاح کا کام کر رہا ہو۔

مدارس میں علما کرام صرفی نحوی ترتیبوں،جار مجرور،صلہ موصول،فاعل مفعول،ماضی،مضارع کی بحثوں کے ذریعے الفاظ کے معانی ومطالب سمجھاتے ہیں جو واقعی اور یقیناً بہت ضروری کام ہے۔جبکہ اہلِ تصوف ان علوم اور معانی کا عقل،نفس،قلب اور روح کے ساتھ رابطہ (interaction) بتا کر ان معانی کی روشنی میں ان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔باطن میں کیا حالات طاری ہوتے ہیں،آدمی کیا منازل طے کرتا ہے اور کیا مقامات حاصل ہوتے ہیں،اس کو واضح کرتے ہیں۔

آدمی تدریسی سرگرمیوں کے ساتھ اگر صوفیاء کی اصلاحی ترتیب،کر اور برت نہیں رہا۔تو اس سے شخصیت میں ایک خلاء باقی رہتا ہے۔محققین کو محسوس ہو جاتا ہے کہ اس میدان میں چلنے کا موقع نہیں ملا۔

بعض مشائخ علما کرام کے اخلاص،اور ذہانت کو دیکھ کر اجازتِ بیعت دے دیتے ہیں۔اس بنا پر کہ متوجہ ہو کر اس چیز کو سیکھیں گے۔وہ اسی اجازت کو کافی سمجھتے ہیں۔ان اعمال واشغال کو خود کر کے اور دوسروں سے برت کے،اس میدان میں سے نہیں گزرتے جس کے نتیجے میں عملی اور باطنی پہلو تشنہ رہ جاتا ہے۔

بفضلہٖ تعالیٰ حضرت مولانا حافظ فضل مالک صاحب ان شخصیات میں سے ہیں جن پر بندہ کو بہت رشک آتا ہے۔ کیونکہ مندرجہ بالا باتیں اللہ تعالیٰ نے ان کو نصیب فرمائی ہیں۔ اہلِ علم ہیں۔ ایک مثالی ادارہ الجامعۃ الاسلامیہ فاروقیہ شاہ کس پشاور کے نام سے چلا رہے ہیں۔ اعمال تصوف خود انہماک سے کر رہے ہیں۔ عوام میں برت رہے ہیں اور اس کے ذریعے اصلاحی کام کر رہے ہیں۔ مزید برآں تصانیف سلسلہ تصوف شائع کر رہے ہیں۔

بندہ کے محبوب دوست جناب مفتی آفتاب عالم صاحب نے ان کی کتاب ''انوارِ تصوف'' عنایت فرمائی اور ساتھ یہ فرمایا کہ اس پر بندہ نظر ثانی کرے۔ اردو چونکہ بندہ کی بچپن کی زبان ہے اس لئے پشتو بولنے والے مصنفین عموماً اپنی کتابیں نظر ثانی کیلئے بھیجا کرتے ہیں۔ ایک نعمت غیر مترقبہ بندہ کے ہاتھ آئی۔ اپنے سیکھنے کیلئے اور اپنی اصلاح کی نیت سے از اول تا آخر پڑھا۔

ماشاء اللہ وقوفِ قلبی کو بہت آسان بیان کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ نے اپنی تحریروں میں اسے نسبتِ یاداشت لکھا ہے۔ یہ ایک دائمی بیداری اپنے قلب کی طرف اور اپنے رب کی طرف ہے۔ - چیز بہت سادہ ہے سیکھنے کے لئے تھوڑی سی مشق چاہیے۔ لیکن فوائد اس کے بہت زیادہ ہیں نفس پر ضبط (control) حاصل ہو جاتا ہے۔ عمل خیر کی اخلاص کے ساتھ توفیق ہو جاتی ہے۔

مراقبات کے سلسلہ میں غیر اللہ کے غیر موجود ہونے اور رفقط اللہ تعالیٰ کی رحمت کے موجود ہونے اور قلب پر اس کے نازل ہونے کا مراقبہ نیز مراقبہ موت دونوں چیزیں تھوڑی سی مشقت چاہتی ہیں۔ لیکن جب قلب کے ساتھ مرتسم ہو جائیں اور قلب میں ٹک جائیں تو سوچ، فکر، ارادہ اور عمل سب کو لگام دیتی ہیں۔

کتاب میں خاص طور سے مخالفینِ تصوف جن کی کام کرنے کی تو نیت نہیں ہوتی۔ خوئے بدرا بہانہ بسیار۔ اعمالِ صوفیاء پر اعتراضات کرتے ہیں، کا خاص جواب ہو گیا ہے۔ ایسے لوگ ناواقف لوگوں کو اصطلاحاتِ تصوف سے ڈراتے ہیں اور شرک و بدعت کے الفاظ کا سہارہ لے کر متوحش کرتے ہیں۔ چنانچہ اصطلاحاتِ تصوف کے مرادف الفاظ قرآن و احادیث سے نکال کر اس وحشت کو دور کیا گیا ہے۔ جہری ذکر کی تائید پر خاطر خواہ مفید بحث آ گئی ہے۔ مجرد اسم ذات کی صرفی نحوی بحث تو لاجواب ہے۔

اللہ تعالیٰ کتاب کو قبول فرمائے اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کے فائدے کا ذریعہ بنائے۔ اللہ کرے کہ یہ کتاب صاحبِ کتاب تک پہنچنے کا ذریعہ بنے۔ یہ تحریر جناب فضلِ مالک صاحب کے ملفوظات اور تقریر نیز تعلیم تعمیل کی طرف راہنمائی کرے اور یہ تعمیل قلوب کی تنویر کا سبب بن جائے۔ آمین

اکابر علمائے دیوبند کی تواضع (آٹھویں قسط)

(مفتی فدا محمد صاحب، دارالعلوم جامعہ رحمانیہ مینئی، صوابی)

باب پنجم

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع

پیدائش ۱۸۱۷ء، وفات ۱۸۹۹ء

اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ ایسا وظیفہ بتائیں کہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ کا بڑا حوصلہ ہے، ہم تو اس قابل بھی نہیں کہ روضہ شریف کے گنبد شریف ہی کی زیارت ہو جائے۔ اللہ اکبر کس قدر تواضع اور شکستگی کا غلبہ تھا، اس پر حضرت (تھانویؒ) نے فرمایا ''یہ سن کر ہماری آنکھیں کھل گئیں''۔ حضرت کی عجیب شان تھی، اس فن کے امام تھے، ہر بات میں شانِ محققیت ٹپکتی تھی، یہی وجہ ہے کہ حضرت کے خادموں میں سے کوئی بھی محروم نہ رہا۔ حضرت حاجی صاحب کی خود یہ حالت تھی کہ اپنے ہر ہر خادم کو خود سے افضل سمجھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ آنے والوں کے قدموں کی زیارت کو اپنے لیے ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں۔ حضرت پر شانِ عبدیت کا غلبہ رہتا تھا۔

(علمائے دیوبند کا تقویٰ، حضرت مولانا زکریا صاحبؒ، ص ۵۵)

امیر شاہ خان صاحب نے فرمایا کہ ایک شخص پنجابی ڈاکٹر مکہ معظّمہ گیا ہوا تھا، کسی حافظ صاحب کی بیوی (مطلقہ یا کوئی اور وجہ) اس کا نکاح ہوا، اس نکاح میں کچھ باتیں حاجی صاحب کی طبیعت کے خلاف ہوئی تھیں اور یہ ڈاکٹر اچھے آدمی نہیں تھے، میں اس کو مکہ معظّمہ سے پہلے جانتا تھا، اس ڈاکٹر صاحب نے ایک مرتبہ گستاخانہ طور پر حضرت حاجی صاحب سے کہا کہ آپ کے اندر مجھے کوئی کمال نظر نہیں آتا، رہی آپ کی شہرت تو یہ مولوی رشید احمد گنگوہیؒ اور قاسم نانوتوی صاحبؒ کی وجہ سے ہوئی ہے لیکن مجھے حیرت ہے کہ وہ دونوں آپ سے کیسے مرید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی شان کہ یہ سن کر حاجی صاحب پر کچھ اثر نہ ہوا اور مسکرا کر فرمایا کہ ہاں بھائی بہت ٹھیک کہتے ہو مجھے خود بھی حیرت ہے کہ یہ حضرات مجھ سے کیسے بیعت ہوئے اور میرے کیوں معتقد ہیں۔ (آپ بیتی، ج ۲، ص ۲۴۰)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تواضع

پیدائش ۱۸۳۱ء، وفات ۱۸۷۹ء

بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم **بحر لا ساحل لہ** (ایسا سمندر جس کے کنارے کا پتہ نہ چلے) تھے، ان کی تصانیف آبِ حیات، تقریر دلپذیر اور مباحثہ شاہجہان پور وغیرہ سے ان کے مقام بلند کا کچھ اندازہ ہوتا ہے اور ان میں سے بعض تصانیف تو ایسی ہیں کہ اچھے اچھے علماء کی سمجھ میں نہیں آتیں، حد یہ ہے کہ ان کے ہم عصر بزرگ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ کا یہ جملہ دارالعلوم میں معروف تھا کہ میں نے آب حیات کا چھ مرتبہ مطالعہ کیا ہے، اب وہ کچھ کچھ سمجھ میں آئی ہے اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اب بھی مولانا (نانوتویؒ) کی تحریریں میری سمجھ میں نہیں آتیں اور زیادہ غور وخوض کی مشقت مجھ سے برداشت ہوتی نہیں اس لیے مستفید ہونے سے محروم رہتا ہوں اور اپنے دل کو یوں سمجھا لیتا ہوں کہ ضروریات کا علم حاصل کرنے کے لیے اور سہل کتابیں موجود ہیں پھر کیوں مشقت اٹھائی جائے۔ ایسے وسیع وعمیق علم کے بعد بالخصوص جب کہ اس پر عقلیات کا غلبہ ہو عموماً علم وفضل کا زبردست پندار پیدا ہو جایا کرتا ہے لیکن حضرت نانوتویؒ کا یہ حال تھا کہ خود فرماتے ہیں ''جس طرح صوفیوں میں بدنام ہوں اسی طرح مولویت کا دھبہ بھی مجھ پر لگا ہوا ہے، اس لیے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے، اگر مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم کی خاک کا بھی پتہ نہ چلتا۔''

چنانچہ ان کی بے نفسی کا یہ حال تھا کہ بقول مولانا احمد حسن صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ ''حضرت مولانا قاسم صاحبؒ جس طالبعلم کے اندر تکبر دیکھتے تھے اس سے جوتے اٹھوایا کرتے تھے اور جس کے اندر تواضع دیکھتے تھے اس کے جوتے خود اٹھا لیا کرتے تھے۔'' (اکابر دیوبند کیا تھے)

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ جو دارالعلوم دیوبند کے بانی ہیں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ہر وقت ایک تہبند پہنے رہتے تھے اور معمولی سا کرتہ ہوتا تھا، کوئی شخص دیکھ کر پہچان ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ اتنے بڑے علامہ ہیں، جب مناظرہ کرنے پر آ جائیں تو بڑے بڑوں کے دانت کھٹے کر دیں لیکن سادگی اور تواضع کا یہ حال تھا کہ تہبند پہنے ہوئے مسجد میں جھاڑو دے رہے ہیں۔ چونکہ آپ نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا تھا تو انگریزوں کی طرف سے گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا، چنانچہ ایک آدمی گرفتاری کے لیے آیا، کسی نے بتا دیا کہ وہ چھتے کی مسجد میں رہتے ہیں، جب وہ شخص مسجد میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک آدمی بنیان اور لنگی پہنے

ہوئے مسجد میں جھاڑو دے رہا ہے، اب چونکہ وارنٹ کے اندر یہ لکھا تھا کہ ''مولانا محمد قاسم نانوتوی کو گرفتار کیا جائے'' اس لیے جو شخص گرفتار کرنے آیا تھا وہ یہ سمجھا کہ یہ تو جبے قبے کے اندر ملبوس بڑے علامہ ہوں گے جنھوں نے اتنی بڑی تحریک کی قیادت کی، اس کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں آئی کہ یہ صاحب جو مسجد میں جھاڑو دے رہے ہیں یہ ہی مولانا قاسم نانوتوی ہیں بلکہ وہ سمجھا کہ یہ شخص مسجد کا خادم ہے۔ چنانچہ اس شخص نے انہی سے پوچھا کہ مولانا قاسم نانوتوی صاحب کہاں ہیں؟ حضرت مولانا قاسم کو معلوم ہو چکا تھا کہ میرے خلاف وارنٹ نکلا ہوا ہے اس لیے چھپانا بھی ضروری ہے اور جھوٹ بھی نہیں بولنا ہے اس لیے آپ جس جگہ کھڑے تھے وہاں سے ایک دو قدم پیچھے ہٹ گئے پھر جواب دیا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو یہاں تھے، چنانچہ وہ شخص یہی سمجھا کہ تھوڑی دیر پہلے تو مسجد میں تھے لیکن اب موجود نہیں ہیں، چنانچہ وہ شخص تلاش کرتا ہوا واپس چلا گیا۔ (اصلاحی خطبات)

حضرت مولانا نانوتویؒ کے متعلق امیر شاہ خان صاحب لکھتے ہیں کہ حکیم عبدالسلام صاحب ملیح آبادی کو مولانا نانوتویؒ کی خدمت میں جانے کا بہت شوق تھا، مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ تو حضرت کی خدمت میں جاوے تو مجھے اپنے ساتھ ضرور لے چلنا، لیکن مجھ بدنصیب کے دل میں ایک خیال جم گیا تھا اور وہ یہ کہ حکیم صاحب بہت خوش بیان وگویا آدمی ہیں، بہت طویل قصہ ہے، حکیم صاحب دوسری مرتبہ خود ساتھ ہو گئے اور جب دیوبند پہنچے تو مغرب کا بعد ہو چکا تھا اور مولانا کا قیام محمود الحسن صاحب کے مکان پر تھا، جب مکان تقریباً پچاس قدم رہ گیا تو میں چند قدم آگے بڑھ کر مولانا کے پاس پہلے پہنچ گیا، مولانا کا لباس اس وقت یہ تھا، سر پر میلا اور پھٹا ہوا عمامہ تھا جس میں لیرے (چیتھڑے) پڑے ہوئے تھے اور چونکہ سردی کا زمانہ تھا اس لیے ایک دھوتر کی نیلی رنگی ہوئی رازئی پہنے ہوئے تھے جس میں بند لگے ہوئے تھے اور نیچے نہ کرتہ تھا اور نہ انگرکھا تھا رزائی۔ رزائی میں مومی کی گوٹ لگی ہوئی تھی جو پھٹی ہوئی تھی اور کہیں تھی اور کہیں بالکل اڑی ہوئی تھی۔ میں نے سلام کر کے مصافحہ کیا اور حکیم صاحب کی آمد کی اطلاع کی، میں تعارف کرا ہی رہا تھا کہ اتنے میں حکیم صاحب بھی آ گئے، اس وقت مجلس کا یہ رنگ تھا کہ دروازہ پر مولوی ذوالفقار علی صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے برابر میں مظفر نگر کے ایک عالم بیٹھے ہوئے تھے اور مولانا ایک طرف کو چارپائی سے کمر لگائے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے برابر میں دیوبند کے ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے جو لباس بھی عمدہ پہنے ہوئے تھے اور داڑھی بھی شاندار تھی، حکیم صاحب مولانا کے دھوکہ میں سب شاندار لوگوں سے مصافحہ کرتے رہے مگر

مولانا کی طرف متوجہ نہ ہوئے ، میں نے بتایا کہ مولانا یہ ہیں تو مصافحہ کرکے وہیں بیٹھ گئے ۔

(آپ بیتی ، ج ۲ص ۲۴۵)

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سوانح قاسمی میں لکھتے ہیں کہ مولانا کی سادگی کا ڈھنگ یہ تھا کہ وہ جب میرے پاس رہتے تھے تو مولوی صاحب کی صورت پر جذب کی حالت برستی تھی ، سر کے بال بڑھ گئے تھے ، نہ دھونا نہ کنگھی نہ تیل نہ کترے نہ درست کیے، عجیب صورت تھی ،بعض احباب کی زبانی سنا ہے کہ چھاپہ خانے میں جناب مولوی احمد علی صاحب کے ہاں جب مولوی صاحب کام کیا کرتے تھے مدتوں یہ لطیفہ رہا کہ لوگ مولوی کہہ کر پکارتے ہیں اور بولتے نہیں،کوئی نام لے کر پکارتا تو آپ خوش ہوتے ۔

تعظیم سے نہایت گھبراتے ، ہر کسی سے بے تکلف رہتے ،اب تک جو شاگرد یا مرید تھے ان کے ساتھ دوستانہ طور پر رہتے اور کچھ اپنے لیے صورت تعظیم کی نہ رکھتے ،علماء کی وضع عمامہ یا کرتہ کچھ نہ رکھتے ۔ایک دن آپ فرمارہے تھے کہ اس علم نے خراب کیا ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا ، میں (مولانا محمد یعقوب) کہتا ہوں اس شہرت پر بھی کسی نے کیا جانا ، جو کمالات تھے وہ کس قدر تھے ، کیا اس میں سے ظاہر ہوئے اور آخر سب کو خاک میں ہی ملا دیا ، اپنا کہنا کر دکھایا۔ مسئلہ کبھی نہ بتلاتے کسی پر حوالہ فرماتے ، فتویٰ پر نام لکھنا اور مہر لگانا تو در کنار ، اوّل امامت سے بھی گھبراتے ، اتنا ہوا کہ وطن میں نماز پڑھا دیتے تھے ، وعظ بھی نہ کہتے تھے ، جناب مولوی مظفر حسین صاحب مرحوم کاندھلویؒ نے اوّل وعظ کہلوایا اور خود بھی بیٹھ کر سنا اور بہت خوش ہوئے ۔ (سوانح قاسمی ،ص ۳۰)

مولانا امراء سے بھی بہت گھبراتے تھے ،خورجہ کے ایک رئیس برسوں سے تمنا میں تھے کہ میرے گھر پر ایک دفعہ حضرت والا آجائیں مگر وہ کامیاب نہ ہوتے تھے ، اتفاق سے جنگ روم وروس چھڑ گئی اور حضرت نے ترکوں کی اعانت کے لیے چندہ کی تحریک شروع کی جو اس زمانہ میں سلطانی چندہ کے نام سے معروف ہوئی ، ان رئیس صاحب کے لیے یہ زرّین موقع ہاتھ لگ گیا ، انہوں نے کہلوا بھیجا کہ اگر حضرت والا ان کے گھر پر تشریف لاکر وعظ فرمادیں تو وہ سلطانی چندہ میں دس ہزار روپے دینگے ، حضرت نے منظور فرمالیا اور ان کے یہاں وعظ فرمایا ، انہوں نے حسبِ وعدہ دس ہزار روپے پیش کیے ختم مجلس پر حضرت اٹھے تو مجمع بھی اٹھا اور لوگوں میں حضرت کی مہمانی کے بارہ میں کہا سنی ہوئی اور ردو کد ہونے لگی ، ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ حضرت کو میں اپنے گھر لے جاکر مہمان بناؤں ، لوگ تو اس جھگڑے اور بحث میں سرگردان تھے اور اسی ہجوم میں حضرت

آہستہ سے نکل کر روانہ ہو گئے، مغرب کا وقت آچکا تھا اذان ہونے والی تھی، حضرت والا شہر کے کنارے ایک غیر معروف مسجد میں پہنچے، وہاں اتفاق سے امام مسجد موجود نہ تھا، لوگوں میں تشویش ہوئی کہ نماز کون پڑھائے، ہر ایک دوسرے پر ٹالتا تھا، چند ایک نے حضرت سے کہا بھائی تم ہی نماز پڑھا دو (یہ لوگ حضرت کو پہچانتے نہ تھے) مگر حضرت عذر فرماتے رہے، جب کوئی بھی امامت کے لیے تیار نہ ہوا تو لوگوں نے حضرت سے یہ کہہ کر زبردستی امامت کے لیے مصلّے پر دھکیل دیا کہ بندۂ خدا تو مسلمان تو ہے کیا تجھے دو چار سورتیں بھی قرآن شریف کی یاد نہیں جو امامت سے اتنا گھبرا رہا ہے، حضرت نے اب مجبور ہو کر امامت کرائی مگر عجیب اتفاق یہ پیش آیا کہ پہلی رکعت میں تو قل اعوذ برب الناس پڑھ گئے اور دوسری میں قل اعوذ برب الفلق، ختم نماز پر اس مسجد کے ان پڑھ نمازیوں میں چہ مگوئیاں شروع ہوئیں کہ عجیب آدمی ہے جس نے قرآن ہی الٹا پڑھ دیا۔ حضرت نے فرمایا بھائی میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ میں امامت کے لائق نہیں ہوں، لوگوں نے کہا کسی کو کیا پتہ تھا کہ قرآن بھی سیدھا پڑھنا نہیں جانتے۔ حضرت نے اس پر فرمایا کہ مولویوں سے سنا ہے کہ نماز تو اس طرح بھی ہو جاتی ہے، اس پر لوگوں نے تند لہجہ میں کہا چوری اور سینہ زوری، ایک تو نماز الٹی پڑھا دی اور اوپر سے مولویوں کو بدنام بھی کرتے ہو۔

یہاں یہ جھگڑا چل رہا تھا کہ حضرت کو ڈھونڈتی ہوئی ایک جماعت ادھر آنکلی اور دیکھا کہ حضرت جاہلوں میں گھرے ہوئے ہیں، تب انھوں نے لوگوں کو بتایا کہ تم کس کے ساتھ یہ معاملہ کر رہے ہو یہ تو مولانا محمد قاسم نانوتوی ہیں، اس پر لوگ نادم ہوئے اور عجز و نیاز سے معافی کے خواستگار ہوئے۔

(سوانح قاسمی، ص ۳۹۵)

مولانا احمد حسین صاحب فرماتے ہیں کہ ایک جولاہے نے مولانا محمد قاسم صاحب کی دعوت کی، اتفاق سے اس روز بارش ہوگئی اور جولاہا وقت پر بلانے نہ آیا تو مولانا خود ہی اس جولاہے کے یہاں تشریف لے گئے، اس نے عرض کیا حضرت چونکہ آج بارش ہوگئی تھی اس لیے میں دعوت کا انتظام نہ کر سکا، مولانا نے فرمایا انتظام کیا ہوتا ہے تمہارے ہاں کچھ پکا بھی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں وہ تو موجود ہے، فرمایا کہ بس وہی کھا لیں گے چنانچہ جو کچھ معمولی کھانا ساگ وغیرہ اس کے یہاں تیار تھا وہ بخوشی مولانا تناول فرما کر تشریف لے آئے اور فرمایا کہ بس جی تمہاری دعوت ہوگئی۔ (ارواح ثلاثہ)

حضرت تھانویؒ نے ارشاد فرمایا کہ مولانا نانوتویؒ کی شان عالمانہ تھی نہ درویشانہ بلکہ عاشقانہ تھی

اور آپ کی مجلس دوستانہ ہوتی تھی، گاڑھے کے کپڑے پہنتے تھے، ایک مرتبہ دیوبند سے نانوتہ تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک جولاہے نے بوجہ سادگی کے اپنا ہم قوم سمجھ کر پوچھا کہ آج سوت کا کیا بھاؤ ہے؟ مولانا نے جواب دیا کہ بھائی آج بازار جانا نہیں ہوا، وہ جولاہہ بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

(آپ بیتی، ج ۲، ص ۲۴۹)

شیخ المشائخ حضرت حاجی صاحب نوراللہ مرقدہ کا معمول یہ تھا کہ لوگ بیعت و ذکر و شغل کے بعد اپنے حالات بیان کرتے مگر حضرت نانوتوی نوراللہ مرقدہ کچھ عرض نہ کرتے۔ ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب نوراللہ مرقدہ نے خود ہی دریافت کیا کہ آپ کچھ نہیں بیان کرتے؟ حضرت کے اس استفسار پر حضرت نانوتوی رونے لگے پھر بڑے یاس انگیز الفاظ میں فرمانے لگے کہ اپنا کیا حال بیان کروں جہاں تسبیح لے کر بیٹھا بس ایک مصیبت ہوتی ہے اس قدر گرانی کہ جیسے سومن کے پتھر کسی نے رکھ دیے ہیں، زبان وقلب سب بستہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت حاجی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ مبارک ہو مولانا! حق تعالیٰ شانہ کے اسم علیم کے ساتھ آپ کو خصوصی نسبت ہے اور اسی نسبت خصوصی کے یہ آثار ہیں جن کا تجربہ اور مشاہدہ آپ کو کرایا جارہا ہے یہ علوم نبوت کا آپ کے قلب پر فیضان ہوتا ہے اور یہ وہ ثقل ہے جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے وقت محسوس ہوتا تھا جس کی تشریح خان صاحب نے حاجی صاحب کی نقل سے یہ کی کہ تم سے حق تعالیٰ نے وہ کام لینا ہے جو نبیوں سے لیا جاتا ہے، جا کر دین کی خدمت کرو، ذکر و شغل کا اہتمام چھوڑو۔ (مختصر سوانح قاسمی)

حکیم منصور علی صاحب اپنا چشم دید واقعہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے سفر میں حضرت کے ہمرکاب تھا، قبہ خضراء جونہی نظروں کے سامنے ہوا مولانا مرحوم نے اپنے نعلین اتار کر بغل میں دبا لیں اور پابرہنہ چلنا شروع کیا، میں نے ان کی دیکھا دیکھی اپنی جوتیاں اتار ننگے پیر ہمراہ مولانا مرحوم چلنا شروع کیا، اس قدر پتھریاں پاؤں میں چبھنے لگیں کہ تحمل نہ ہو سکا آخر جوتا پہن کر چلنے لگا، جو کنکریاں ایک پٹھان نوجوان کے پاؤں کے لیے ناقابل برداشت بن چکی تھیں مگر مولانا مرحوم جواز فرق تا قدم نہایت نازک ونرم اندام تھے اسی خاردار جنگل میں مدینہ منورہ تک کئی میل آخر شب کی تاریکی میں چلتے رہے کہ قوت عشق کے نزدیک سنگ وگل برابر ہیں۔ (سوانح قاسمی، ص ۱۵۶)

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆

پیشِ لفظ ،نوائے درویش

طرب آشنائے خروش ہوتو نوائے محرمِ گوش ہو وہ سرود کیا جو چھپا ہوا ہے سکوتِ پردۂ ساز میں

بندہ کے شیخ و مربّی کے اصلاحی بیانات نوائے درویش کے نام سے آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ کچھ بیانات تو حضرت حاجی شیر حسن صاحب کی بیاض سے لئے گئے ہیں۔ اس بیاض میں حاجی شیر حسن صاحب نے حضرت کے بیانات دوران بیان لکھے ہیں۔ ان کی زبان درست کرنے کے لئے ،اورعبارت کومربوط بنانے کے لیے پوری محنت کرنا پڑی ہے۔ کچھ بیانات کیسٹوں سے لیے گئے ہیں جنہیں بہت زیادہ محنت کر کے ثاقب علی خان صاحب نے کیسٹوں سے سن کرلکھا ہے۔ بندہ چونکہ غیر معروف آدمی ہے، اس لئے تقریظ حضرت مفتی حمید اللہ جان صاحب صدر مفتی و شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ سے لکھوائی ۔حضرت موصوف سلسلہء نقشبندیہ کے کامل شیخ ہیں۔ اب حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کی برکات اور مفتی صاحب کی توجہات یکجا

کتاب کی ہم نوا ہوگئی ہیں۔امید ہے پڑھنے والوں کو بہت فائدہ ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

”دعا مومن کا ہتھیار ہے“

حضور ﷺ نے فرمایا! ” تم میں سے جس کے لئے دعا کا دروازہ کُھل گیا اُسکے لئے رحمت کے دروازے کُھل گئے اور اللہ کو سوالوں اور دعاؤں میں سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ بندے اس سے عافیت کی دُعا کریں۔“ (ترمذی)

حدیث مبارکہ ہے”دُعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے۔“ (ترمذی)

اُمتِ مسلمہ کو حضورِ اکرم ﷺ کے ذریعے روحانی دولتوں کے جو خزانے ملے ہیں اس میں سب سے بیش قیمت خزانہ اُن دُعاؤں کا ہے جو مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ سے خود آپ صلی اللہ علیہ وَ آلہ وسلم نے کیں یا امت کو ان کی تلقین فرمائی۔دُعا کے لئے کسی زبان،انداز یا الفاظ کی کوئی قید نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے کے عمل اور نیت سے بخوبی واقف ہے۔ہر شخص اپنے علم اپنی زبان اپنے الفاظ کے مطابق اپنے رب کو پُکارتا ہے اور رب اللعالمین تو پورے جہانوں کا رب ہے۔وہ اپنے بندے کی ہر دُعا قبول کرتا ہے بلکہ جو اللہ سے نہ مانگے تو اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔یہ دُعا ہی ہے جو ہمیں اللہ کے قریب کرتی ہے۔دُعا کیلئے روت،مقام یا کسی خاص جگہ کا کوئی تعین نہیں ہے۔ہر وقت،ہر جگہ،ہر حالت میں (خواہ بیٹھا ہو یا کھڑا ہو یا لیٹا ہو) دعا کر سکتے ہیں۔اسکے لئے نہ وضو،نہ ہاتھ اُٹھانے کی نہ بولنے کی شرط ہے۔دعا تو دعا ہے۔دل ہی دل میں بھی مانگ سکتے ہیں اور آہستہ آواز میں بھی۔کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا آسان ترین اور مختصر ترین راستہ یہ ہے کہ انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مانگتا رہے،دعا کرتا رہے جو دکھ،پریشانی،حاجت ہو بس اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔راقم الحروف کی عادت ہے بچپن سے کہ اگر گرمی بھی لگتی تھی تو یہ دعا کیا کرتی تھی ” اللہ جی گرمی دور فرما دیجئے“۔اگر بجلی چلی جاتی تھی تو فوراً کہنا ”اللہ جی جلدی سے بجلی لے آئیں“ یقین مانیئے دِل کو ایسا سکون ہو جاتا تھا گویا گرمی کا وجود ہی نہیں یا پھر اندھیرا ہے ہی نہیں اور اب تک یہی عادت ہے۔بازار جانا ہو تو یہی دعا ہوتی ہے ”اللہ جی خیریت سے جاؤں اور جو لینے جا رہی ہوں وہ مل جائے اور خیریت سے گھر لوٹوں“۔یقین کریں ہر راستہ آسان ہو جاتا ہے۔بظاہر یہ معمولی سا کام ہے مگر کر کے دیکھئے کیسا سکون،کیسا اطمینان نصیب ہوتا ہے۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا!”تم میں سے ہر شخص کو اپنی حاجت اللہ سے مانگنی چاہیے حتیٰ کہ

اگر اُسکی جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ سے دعا کریں۔" (ترمذی) ایک مرتبہ گھر پر مہمانوں کی دعوت تھی۔طبیعت کچھ ٹھیک نہ تھی لیٹے لیٹے دعا کی "اللہ جی! جلدی سے ہمت چاوت دیں کہ تمام کام جلدی سے نمٹالوں اور اللہ جی کھانا بہترین پک جائے سبھی تعریف کرتے جائیں اور کھاتے جائیں"۔ابھی پانچ منٹ بھی نہ گزرے ہونگے کہ اپنے اندر ایک نئی قوت سی محسوس ہوئی اور فوراً اُٹھ کر کام میں جُت گئی اور پھر وہی ہوا، تمام لوگ کھانے کی تعریف کرتے جاتے تھے اور کھاتے جاتے تھے۔کہنے کا مقصد یا لکھنے کا اپنی تعریف کرنا نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ بظاہر جو معاملات انسان کو اپنے اختیار میں محسوس ہوتے ہیں ان میں بھی تدبیر کرنے سے پہلے اللہ سے مدد مانگنی چاہیے اس لیے کہ کسی معاملے میں بھی ہماری کوئی تدبیر اللہ کی توفیق وتائید کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتی اور تدبیر سے پہلے دعا کے معنی یہ ہیں کہ بندہ ہر وقت اپنی عاجزی اور اللہ کی بالادستی کا اعتراف کررہا ہے۔دعا جس قدر دل کی گہرائی سے اور اپنے کو جس قدر عاجز اور بے بس سمجھ کر اور اللہ کی قدرت اور رحمت کے جتنے یقین کے ساتھ کی جائے گی اسی قدر جلد مقبول ہونے کی اُمید ہوگی۔" جب اللہ سے دعا مانگو تو اس یقین کے ساتھ کرو کہ وہ ضرور قبول اور عطا فرمائے گا اور جان لو اور یاد رکھو کہ اللہ اُسکی دعا قبول نہیں کرتا جس کا دل (دعا کے وقت) اللہ سے غافل اور بے پرواہ ہو۔" (ترمذی)

یہ خیال رکھنا چاہیے کہ دعا دراصل ان دُعائیہ الفاظ کا نام نہیں جو زبان سے ادا ہوتے ہیں الفاظ تو دُعا کا لباس ہیں دُعا کی حقیقت انسان کے قلب اور اس کی روح کی طلب اور تڑپ ہے اگر زبان سے آپ دعا کے کلمات ادا کررہے ہو مگر آپ کی توجہ کسی اور طرف متوجہ ہے تو نہ آپ نے مانگا اور نہ آپکو ملے گا۔دُعا ہمیشہ نیک مقاصد کیلئے کیجئے۔ساتھ ساتھ اپنی دنیا اور آخرت کو سنوارنے اور سدھارنے کی کوشش کیجئے۔وہ رحمٰن و رحیم ہے وہ تو اپنے در سے زانی، شرابی، چور، ڈاکو غرض کسی بھی بندے کو خالی ہاتھ نہیں لُٹاتا۔دعا کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ کسی دوسرے کے لئے دعا کرنا ہو تو پہلے اللہ سے اپنے لیے مانگیں اسکے بعد دوسرے کے لئے۔دعا سے پہلے اللہ کی حمد وثناء پھر اسکے بعد رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجیں اور اسی طرح دعا کے آخر میں درود شریف پڑھئے۔ "جو مومن بندہ کوئی دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو اور نہ قطع رحمی ہو تو اللہ کی طرف سے اسکی تین چیزوں میں سے ایک چیز ضرور عطا ہوتی ہے یا تو جو اس نے مانگا وہی اسکے ہاتھ کے ہاتھ عطا فرمادیا جاتا ہے یا اسکی دعا کو آخرت میں اس کا ذخیرہ بنادیا جاتا ہے یا آنے والی کوئی مصیبت اور تکلیف اس دعا کے حساب میں روک دی جاتی ہے۔" (مسند احمد) حدیث مبارکہ میں ہے "کیا میں تمہیں وہ عمل بتاؤں جو تمہارے دشمنوں سے تمہارا بچاؤ کرے اور تمہیں بھرپور روزی دِلائے وہ یہ ہے کہ اللہ سے دعا کیا کروں رات اور دن میں کیونکہ دعا مومن کا ہتھیار (یعنی اُس کی خاص طاقت) ہے۔" (مسند ابی یعلی اعوصلی)

فائزہ شہزاد، حیات آباد، پشاور

بِسْمِ اللّٰہِ الْرَ حْمٰنِ الْرَ حِیْمo

یَـا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُو لَقَدْ خَلَقْنَاالْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍمِّنْ طِیْنٍ oثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارِمَکِیْنٍ oثُمَّ خَلَقْنَاالنُّطْفَۃَعَلَقَۃًفَخَلَقْنَاالْعَلَقَۃَمُضْغَۃً فَخَلَقْنَاالْمُضْغَۃَعِظٰماًفَکَسَوْنَاعِظٰمَ لَحْماً ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقاً اٰخَرَفَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنِ oرَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْنِ oرَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًاوَّ اَنْتَ خَیْرُالْوَارِثِیْن oرَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثاوَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ بَیْتِ الْعِظَّام.

بِسْمِ اللّٰہِ الْرَ حْمٰنِ الْرَ حِیْمo

یَـا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُیَا مُصَوِّرُو لَقَدْ خَلَقْنَاالْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍمِّنْ طِیْنٍ oثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارِمَکِیْنٍ oثُمَّ خَلَقْنَاالنُّطْفَۃَعَلَقَۃًفَخَلَقْنَاالْعَلَقَۃَمُضْغَۃً فَخَلَقْنَاالْمُضْغَۃَعِظٰماًفَکَسَوْنَاعِظٰمَ لَحْماً ق ثُمَّ اَنْشَئْنٰہُ خَلْقاً اٰخَرَفَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْن oرَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصَّالِحِیْن oرَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًاوَّ اَنْتَ خَیْرُالْوَارِثِیْن oرَبِّ ھَبْ لِیْ مِنْ لَدُنْکَ ذُرِّیَۃً طَیِّبَۃً ط اِنَّکَ سَمِیْعُ الدُّعَاءِ ط یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنٰثاوَّیَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّکُوْرًا ط اِلٰھِی بَحُرْمَتِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَ اَھْلِ

بَیۡتِ الۡعِظَّام۔